قرآن کریم میں موجود اسماء پر ایک اجمالی نظر

مکرم حافظ فضل ربی صاحب، استاد جامعہ احمدیہ یوکے

جب ہم سب سے پہلے کسی شخص، چیز، جگہ وغیرہ سے متعارف ہوتے ہیں تو ہمارا قدرتی سوال یہ ہوتا ہے کہ اس کا نام کیا ہے؟ یہ اس لئے ہوتا ہے کہ قدرتی طور پر ہمارا ذہن جب کسی کے بارہ میں معلومات محفوظ کرتا ہے تو وہ نام کے ساتھ ہی کرتا ہے۔ اس کی ایک عام فہم مثال کمپیوٹر ہے جس میں اگر کوئی فائل محفوظ کرنی ہو تو وہ لازماً کسی نام کے ساتھ محفوظ کر سکے گا۔ اس کی ایک اور عام فہم مثال ایک نوزائیدہ بچہ ہے جس کی ولادت کی خبر سنتے ہی فوراً اس کے درجہ بدرجہ متعلقین کا دھیان اس طرف جاتا ہے کہ اس کا نام کیا ہے؟ یا کیا رکھا گیا ہے۔ اور یہ کام یا تو بچہ کی ولادت کے بعد جلد از جلد سر انجام پاتا ہے یا بعض وقت اس کی پیدائش سے پہلے ہی رکھا جاتا ہے۔ دنیا کے مختلف ممالک میں نوزائیدہ بچوں کی رجسٹریشن کا نظام اس بات کو سمجھنے میں مد ثابت ہو سکتا ہے۔

قرآن کریم میں نام کیلئے ”اسم“ کا لفظ استعمال ہوا ہے۔ جس میں اپنی ذات اور اپنے معانی کے لحاظ سے بہت گہرائی اور وسعت پائی جاتی ہے۔ قرآن کریم کا نزول ام الالسنہ عربی زبان میں ہوا جو فصاحت وبلاغت کے میدان میں سب سے بلند مقام پر فائز ہے۔

کائنات کا سب سے خوبصورت نام

کائنات کی سب سے اہم ذات اللہ تعالیٰ کی ہستی ہے۔ جس کی صفات اور اسماء کا ادراک فی زمانہ سب سے زیادہ جماعت احمدیہ مسلمہ کو ہے۔ لیکن تاریخ عالم میں ایک وقت ایسا بھی گذرا ہے کہ انسان کاروبارِ ہستی میں کوئی قابل ذکر وجود نہ تھا۔ اس کا اپنے گردوپیش کے متعلق علم اور مطالعہ بہت محدود تھا۔ اس تاریخی حقیقت کی طرف توجہ مبذول کراتے ہوئے قرآن کریم فرماتا ہے:

هَلۡ اَتٰی عَلَی الۡاِنۡسَانِ حِیۡنٌ مِّنَ الدَّهۡرِ لَمۡ یَکُنۡ شَیۡئًا مَّذۡکُوۡرًا

کیا انسان پر زمانے میں سے کوئی ایسا لمحہ بھی آیا تھا کہ وہ کوئی قابل ذکر چیز نہ تھا؟[1]

(الدھر:2)

ان حالات میں اللہ تعالیٰ نے اپنی چہرہ نمائی کا فیصلہ کیا تاکہ دنیا اس کی عظیم صفات سے روشناس ہو۔ اور انسان کو اس کی پیدائش کی اصل غرض و غایت سے آگاہ کیا جائے۔ ایک حدیث قدسی میں اللہ تعالیٰ نے اس مضمون کو یوں بیان فرمایا:

کُنْتُ کَنْزًا مَخْفِیًا فَاَرَدْتُ اَنْ اُعْرَفَ فَخَلَقْتُ اٰدَمَ

میں ایک مخفی خزانہ تھا۔ میں نے ارادہ کیا کہ میں پہچانا جاؤں، چنانچہ میں نے آدم کو تخلیق کیا۔

اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے سب سے پہلے عالمِ انسانیت کو انبیاء کے ذریعہ سے اپنے وجود سے روشناس فرمایا اور تدریجاً اپنی صفات کاملہ کا ظہور فرمایا۔ اس سلسلہ میں قرآن کریم آنحضرت ﷺ کے وسیلہ سے ہماری راہنمائی کرتے ہوئے فرماتا ہے:

وَ اِذۡ قَالَ رَبُّکَ لِلۡمَلٰٓئِکَۃِ

اِنِّیۡ جَاعِلٌ فِی الۡاَرۡضِ خَلِیۡفَۃً ؕ

”اور (یاد رکھ) جب تیرے رب نے فرشتوں سے کہا کہ یقیناً میں زمین میں ایک خلیفہ بنانے والا ہوں۔“

(البقرہ:31)

پھر اس خلیفۃ اللہ کے ساتھ اپنی رحمانیت اور

ربوبیت کے خصوصی اظہار کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا:

وَعَلَّمَ اٰدَمَ الۡاَسۡمَآءَ کُلَّہَا

اور اس نے آدم کو تمام اسماء سکھائے۔

(البقرہ:32)

اس آیت مبارکہ میں طالبانِ علم و حق کیلئے گہرے مطالب پوشیدہ ہیں۔ یعنی تعلیم باری تعالیٰ کے نظام میں سب سے پہلے اسماء کی باری آتی ہے جو کہ عربی زبان کے مجموعی مزاج کے لحاظ سے صفات اور خصائص کا ہی دوسرا نام ہے۔ اور یہ علم ہی تھا جس کی بدولت سے حضرتِ انسان ملائکہ سے بھی آگے نکل گیا اور یہ حقیقت علمِ حقیقی کی رفعت و منزلت کی آئینہ دار ہے۔ مزید برآں لفظِ اسم کی لغوی بحث بھی اس حقیقت کو آشکار کرتی ہے۔ اقرب الموارد میں اسم کے بارہ میں لکھا ہے: ”الاِسْمُ کے معنے ہیں :اللَّفْظُ الْمَوْضُوْعُ عَلٰی الجَوْہَرِ وَالْعَرَضِ لِتَمْیِیْزِہٖ کہ جو لفظ کسی چیز کی حقیقت کے بیان کیلئے لاتے ہیں اس اس کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے۔ نیز کہتے ہیں اسم الشیء علامتہ کہ کسی چیز کو پہچاننے کیلئے جو اس کے بالمقابل لفظ رکھا جاتا ہے اسے اس کا اسم کہتے ہیں (اقرب) کلیات ابی البقاء میں ہے۔ الاسم: ذَاتُ الشَیْءِ وَالْاِسْمُ اَیْضًا الصِّفَۃُ کہ اسم اس کو بھی کہیں گے جو اس چیز کی صفات کو بیان کرے۔“

آدم کو جو اسماء سکھلائے گئے، ان سے کیا مراد ہے۔ اس کے بارہ میں الرَّاسِخُوۡنَ فِی الۡعِلۡمِ نے

مختلف نکات بیان کئے ہیں۔ حضرت خلیفۃ المسیح الرابع رحمہ اللہ تعالیٰ نے اپنے ترجمہ قرآن میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی کتب مقدسہ کی روشنی میں تحریر فرمایا ہے کہ یہاں ”اسماء“ سے مراد حقائق الاشیاء (**سر الخلافة**) اور عربی زبان کے اسماء(**منن الرحمان**) لئے جا سکتے ہیں۔

(ترجمہ قرآن، صفحہ 14)

حضرت مسیح موعود علیہ السلام عربی زبان کے خصائص اور کمالات کا ذکر کرتے ہوئے عربی کے اسماء اور ان کی وجہ تسمیہ کے بارہ میں اپنی مایہ ناز تصنیف ”منن الرحمٰن“ کے بارہ میں فرماتے ہیں:

”دوسری خوبی عربی میں اسماء باری و اسماء ارکان عالم و نباتات و حیوانات و جمادات و اعضائے انسان اپنی اپنی وجہ تسمیہ میں بڑے بڑے علوم حکمیہ پر مشتمل ہیں۔ دوسری زبانیں ہرگز اس کا مقابلہ نہیں کر سکتیں۔“

(منن الرحمن، روحانی خزائن، جلد 9، صفحہ 137 تا 138)

حضرت خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ عنہ آیت: وَعَلَّمَ اٰدَمَ الۡاَسۡمَآءَ کی تفسیر میں فرماتے ہیں:

”زبان کا مفہوم بھی اس آیت کے مفہوم میں

بطور تنزل شامل ہے کیونکہ تمدن کے قیام کیلئے کسی زبان کا ہونا ضروری تھا اور معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آدم کو زبان کے اصول سکھائے جن کے مطابق انہوں نے زبان کا علم جاری کیا اور اسی آیت پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ زبان عربی تھی کیونکہ اس آیت سے ظاہر ہے کہ آدم کو اسماء مسمیات کے ذریعہ سے سکھائے گئے تھے یعنی جس زبان کا انہیں علم دیا گیا تھا اس کی بناء مسمیات اور اسماء کے اتحاد پر تھی یعنی ہر چیز کا نام اس کی خصوصیات کی بناء پر رکھا گیا تھا نہ کہ بے تعلق اور بے ربط۔ اور یہ خصوصیات صرف عربی زبان میں ہیں کہ اس کے تمام اسماء مسمیات سے گہرا تعلق رکھتے ہیں دوسری زبانوں میں یہ بات نہیں ہے ان زبانوں سے صرف شناخت کا فائدہ حاصل کیا گیا ہے۔ اگر ان ناموں کو بدل دیا جائے تو بھی کوئی ہرج واقع نہیں ہوتا مثلاً اُردو میں غلّہ سے بنائی ہوئی غذا کو روٹی کہتے ہیں انگریزی میں بریڈ اور فارسی میں نان۔ اگر ان ناموں کی جگہ مثلاً جوئی یا بریڈ یا پان اس چیز کے نام رکھ دیئے جائیں تو کوئی ہرج واقع نہیں ہوتا مگر عربی زبان میں اس چیز کا نام خبز ہے جو با معنی ہے۔ عربی زبان میں خ ب ز جمع ہوں تو ان ککے معنوں میں عمل اور پھولنے کے معنی پائے جاتے ہیں۔ چنانچہ بزخ کے معنی ہیں سینہ کو باہر نکالا اور خزب کے معنی ہیں بغیر بیماری اور نقص کے موٹا ہوگیا اور خبز کے معنے ہیں جلدی جلدی ہاتھ مار کے عمل کیا پس خبز کے معنے ہوئے وہ چیز سے جلدی جلدی ہاتھوں سے تیار کیا جائے اور وہ موٹی ہو جائے اور پھول جائے اور یہ روٹی کا عین نقشہ ہے۔ روٹی کو جلدی جلدی ہاتھ مار کر تیار کیا جاتا ہے اور آگ میں رکھنے کے بعد وہ پھول جاتی ہے۔ اب ظاہر ہے کہ روٹی کے لئے اگر عربی زبان میں خبز کی جگہ کوئی اور لفظ رکھا جائے تو اس سے روٹی کی حقیقت ظاہر نہیں ہوتی بلکہ روٹی کا مفہوم خ ب ز کے حروف کے ملانے سے ہی پیدا ہوتا ہے اسی طرح اللہ تعالیٰ کے نام ربّ کو لے لو۔ رب کے معنے تربیت کرنے اور ادنی سے اعلیٰ حالت تک پہچانے کے ہیں اس لفظ کی جگہ کوئی اور لفظ رکھوتو یہ غرض کبھی پوری نہ ہوگی ۔ پھر عربی میں آسمان کو سماء کہتے ہیں سو م و جس سے یہ لفظ بنا ہے بلندی اور ارتفاع پر دلالت کرتا ہے مگر آسمان فارسی کا لفظ یا سکائی انگریزی کا لفظ اس حقیقت کو ظاہر نہیں کرتا پس عربی ہی ایک ایسی زبان ہے جس میں سب نام، نام والے کی حقیقت کو ظاہر کرنے کے لئے بنائے گئے ہیں اگر ان ناموں کو بدل دو تو وہ اس حقیقت کو ظاہر نہیں کرینگے بلکہ صرف ایک علامت رہ جائینگے لیکن دوسری زبانوں میں اس حقیقت کا نام و نشان نہیں پایا جاتا الا ماشاءاللہ۔ پس زبان سکھانے کے معنوں سے یہ مراد لی جائے گی کہ اللہ تعالیٰ نے آدم کو ایک ایسی زبان سکھائی جو بے معنے اور بے ربط نہ تھی بلکہ اس کی بنیاد فلسفہ پر تھی اور اس کے تمام لفظ با معنیٰ تھے یا دوسرے الفاظ میں یہ کہ آدم علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے عربی زبان سکھائی جو بعد میں دوسری زبانوں کی ماں بنی۔"

(تفسیر کبیر ،جلد اول ،صفحہ 314)

خاکسار قارئین کرام کی خدمت میں مندرجہ بالا بیان فرمودہ معانی میں سے اپنے مضمون کی نسبت سے صرف قرآن مجید میں موجود اسماء اور ان کے خصائص اور وجہ تسمیہ پر ایک طائرانہ جائزہ پیش کرنے کی سعادت حاصل کرے گا۔

میرا یہ پختہ یقین ہے کہ جب بھی کسی مضمون کی تحقیق مطلوب ہو تو سورۃ الفاتحہ پر غور و فکر کیا جائے تو مطلوب و مقصود کی طرف رہنمائی مل جاتی ہے اور یہ طریق اور اسلوب ہمیں پیارے مسیح موعود علیہ السلام

نے سکھلایا ہے۔ سیرت کی کتب میں ہمیں یہ مشہور روایت ملتی ہے کہ ایک مرتبہ حضور علیہ السلام یکے پر سوار ہوکر قادیان سے بٹالہ تک کا سفر فرما رہے تھے اور پانچ گھنٹوں کے اس سفر میں آپ صرف سورۃ الفاتحہ پر ہی غور و فکر فرماتے رہے تھے۔ چنانچہ آپ فرماتے ہیں:

”قرآن شریف تو ایک بہت بڑا سمندر ہے۔ کوئی بات اگر نکالنی ہو تو چاہئے کہ سورۃ فاتحہ میں بہت غور کرے کیونکہ یہ ام الکتاب ہے اس کے بطن سے قرآن کریم کے مضامین نکلتے ہیں۔“

(تفسیر حضرت مسیح موعود، جلد اوّل، صفحہ 17)

چنانچہ اسی طریق و اسلوب سے برکت حاصل کرتے ہوئے زیر قلم عنوان کیلئے جب ہم سورۃ الفاتحہ کا مطالعہ کرتے ہیں تو اس کی پہلی آیت (بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ) ہی ہمیں بہت سارے نادر نکات کی طرف متوجہ کردیتی ہے۔ اس آیت مبارکہ میں کل پانچ کلمات ہیں۔ لغوی و صرفی تحلیل کے اعتبار سے پہلا حرف ہے اور جبکہ باقی چار کا تعلق اسماء سے ہے۔ پہلا لفظ ”بسم“ لغوی اعتبار سے حرف اور اسم کا مجموعہ ہے اور اس کے بعد کائنات کی سب سے بڑی ہستی کا نام اللہ ہے اور اس کے بعد اللہ تعالیٰ کی دو صفات الرحمن اور الرحیم بیان فرمائی گئی ہیں۔ اسم اللہ کے بارہ میں بہت سی لغوی اور علمی بحث موجود ہے کہ اس کا مطلب کیا ہے۔ اس کا تعلق اسماء کی کس کیٹیگری(category) سے ہے۔ کیا یہ معرف بالف لام ہے؟ اس کا اصل مطلب کیا ہے۔ وغیرہ وغیرہ۔ لیکن قرآن مجید نے اس کے تشریحی معانی خود متعین کئے ہیں۔ یہ قرآن مجید کا خاص اسلوب ہے کہ وہ جب کسی اسم کی تشریح کرتا ہے تو اسم موصولہ کے بعد یعنی الذی یا الذین کہہ کر اس کے معنوی تشریح فرماتا ہے۔ اس کی پہلی مثال خود سورۃ الفاتحہ میں موجود ہے:

اِهۡدِنَا الصِّرَاطَ الۡمُسۡتَقِيۡمَ ۙ
صِرَاطَ الَّذِيۡنَ اَنۡعَمۡتَ عَلَيۡهِمۡ

”ہمیں سیدھے راستہ پر چلا۔ ان لوگوں کے راستہ پر جن پر تُو نے انعام کیا۔“

(الفاتحہ:6 اور 7)

مندرجہ بالا مثال میں صراط مستقیم کی تشریح کی گئی ہے کہ یہ وہ مبارک صراط اور طریق ہے جس پر خدا

تعالیٰ سے انعام یافتہ گروہ گامزن رہتا ہے۔

هُدًى لِّلۡمُتَّقِيۡنَ ۙ الَّذِيۡنَ يُؤۡمِنُوۡنَ بِالۡغَيۡبِ وَيُقِيۡمُوۡنَ الصَّلٰوةَ وَمِمَّا رَزَقۡنٰهُمۡ يُنۡفِقُوۡنَ ۙ

”(یہ کتاب) ہدایت دینے والی ہے متقیوں کو۔ جو لوگ غیب پر ایمان لاتے ہیں اور نماز قائم کرتے ہیں اور جو کچھ ہم انہیں رزق دیتے ہیں اس میں سے خرچ کرتے ہیں۔“

(البقرہ:4-3)

اس مثال میں لفظ متقین کی معنوی تشریح کی گئی ہے۔ بعض اوقات قرآن کریم کچھ صفات بیان کرکے آخر میں اسم اشارہ قریب یا بعید سے کسی لفظ کے معنوی حقائق اور معارف سے پردہ اٹھاتا ہے۔ مثلاً قرآن کریم کا ایک معروف حکم یہ ہے کہ صادقین کی صحبت اختیار کرو۔ اب اگر مروجہ لغات کی رو سے اس کے معانی دیکھے جائیں تو ترجمہ ہوگا کہ سچوں کی صحبت اختیار کرو۔ لیکن لفظ

صادقین کا ترجمہ صرف سچے کرنا اور سمجھنا قرآن کریم کے منطوق کی حقیقی عکاسی نہیں کرتا۔ لیکن جب قرآن مجید خود اس لفظ کی معنوی تشریح فرماتا ہے تو ہر خاص و عام پر بات واضح ہوجاتی ہے کہ قرآن کریم اس لفظ سے کیا بات سمجھانا چاہتا ہے۔ چنانچہ سورۃ البقرہ کی آیت نمبر 178 جس کا آغاز لَيْسَ الْبِرَّ کے الفاظ سے ہوتا ہے اس میں مختلف حسنات اور نیکیوں کا ایک جامع تذکرہ پیش فرمایا گیا ہے اور ان نیکیوں کو بجا لانے والوں کے بارہ میں قرآن کریم نے یہ فیصلہ صادر کیا ہے اور خوشخبری دی ہے کہ اُولٰٓئِكَ هُمُ الصَّادِقُوْنَ۔ جس سے بات خوب واضح ہوجاتی ہے۔

اسی طرح جب ہم لفظ اللہ کی تحقیق اور معنوی تشریح کیلئے قرآن مجید سے استعانت طلب کرتے ہیں تو سورۃ الانعام سے ہمیں یہ رہنمائی ملتی ہے:

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضَ وَ جَعَلَ الظُّلُمٰتِ وَالنُّوْرَ

”تمام حمد اللہ ہی کی ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا اور اندھیرے اور نور بنائے۔“

(الانعام:2)

وَهُوَ اللّٰهُ فِی السَّمٰوٰتِ وَ فِی الْاَرْضِ ؕ یَعْلَمُ سِرَّكُمْ وَ جَهْرَكُمْ وَ یَعْلَمُ مَا تَكْسِبُوْنَ ۝

اور وہی اللہ ہے آسمانوں میں بھی اور زمین میں بھی۔ وہ تمہارے چھپے ہوئے کو جانتا ہے اور تمہارے ظاہر کو بھی اور جانتا ہے جو تم کسب کرتے ہو۔

(الانعام: 3)

مندرجہ بالا آیات کو اہل انجیل کے باطل عقیدہ الوہیت مسیح کے رد میں پیش کیا جاسکتا ہے کیونکہ سچے واحد خدا کی یہ صفات مذکورہ بالا آیات میں بیان کی گئی ہیں کہ اس نے آسمانوں اور زمین کو تخلیق کیا ہے۔ اسی طرح اندھیروں اور نور کو بھی وہی بنانے والا ہے۔ وہی عظیم ہستی ہے جس کی قدرت اور طاقت بیک وقت آسمانوں میں بھی کارفرما ہے اور زمین میں بھی۔ وہی ہے ظاہر و باہر کو خوب جاننے والا ہے اور انسان کے ہر عمل خیر و شر سے خوب باخبر ہے۔ کیا مسیح کیلئے صفات باری تعالیٰ کے ان عقلی دلائل کو بائیبل پیش کر سکتی ہے؟ ہر گز نہیں۔ خلاصہ کلام یہ ہے کہ قرآن کریم جو بھی دعویٰ پیش کرتا ہے اس کے عقلی و منطقی دلائل بھی سمجھاتا ہے۔ اسی نہج پر نمونتاً سورۃ الحشر کی یہ تین آیات مبارکہ بھی ملاحظہ ہوں:

هُوَ اللّٰهُ الَّذِیْ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ عٰلِمُ الْغَیْبِ وَ الشَّهَادَةِ ۚ هُوَ الرَّحْمٰنُ الرَّحِیْمُ ۝

”وہی اللہ ہے جس کے سوا اور کوئی معبود نہیں۔ غیب کا جاننے والا ہے اور حاضر کا بھی۔ وہی ہے جو بن مانگے دینے والا، بے انتہا رحم کرنے والا (اور) باربار رحم کرنے والا ہے۔“

(الحشر:23)

هُوَ اللّٰهُ الَّذِیْ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ اَلْمَلِكُ الْقُدُّوْسُ السَّلٰمُ الْمُؤْمِنُ الْمُهَیْمِنُ الْعَزِیْزُ الْجَبَّارُ الْمُتَكَبِّرُ ؕ سُبْحٰنَ اللّٰهِ عَمَّا یُشْرِكُوْنَ ۝

”وہی اللہ ہے جس کے سوا اور کوئی معبود نہیں۔ وہ بادشاہ ہے، پاک ہے، سلام ہے، امن دینے والا ہے، نگہبان ہے، کامل غلبہ والا ہے، ٹوٹے کام بنانے والا ہے (اور) کبریائی والا ہے۔ پاک ہے اللہ اس سے جو وہ شرک کرتے ہیں۔“

(الحشر:24)

هُوَ اللّٰهُ الْخَالِقُ الْبَارِئُ الْمُصَوِّرُ لَهُ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰی یُسَبِّحُ لَهٗ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَ هُوَ الْعَزِیْزُ الْحَكِیْمُ ۝

”وہی اللہ ہے جو پیدا کرنے والا۔ پیدائش کا آغاز کرنے والا اور مصور ہے۔ تمام خوبصورت نام اسی کے ہیں۔ اسی کی تسبیح کر رہا ہے جو آسمانوں اور زمین میں ہے اور وہ کامل غلبہ والا (اور) صاحب حکمت ہے۔“

(الحشر:25)

اس کی مزید تشریح آپ حضرت مسیح موعود علیہ السلام اور خلفاء احمدیت کی تفاسیر سے ملاحظہ کرسکتے ہیں۔مزید برآں یہ بات بھی قابل ذکر و فکر ہے کہ خالق کائنات کا ذاتی نام ''اللہ'' اسلام کے سوا کسی اور مذہب میں نہیں پایاجاتا،مختلف زبانوں اور مذاہب میں معدود حقیقی کے صفاتی نام تو موجود ہیں لیکن اسم ذاتی ''اللہ'' کو صرف خاتم الکتب قرآن مجید نے پیش فرمایا ہے۔ یہ حقیقت مندرجہ ذیل آیت مبارکہ سے بخوبی مستنبط ہوتی ہے۔

رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا فَاعْبُدْهُ وَاصْطَبِرْ لِعِبَادَتِهٖ ؕ هَلْ تَعْلَمُ لَهٗ سَمِيًّا ۝

''(وہ) آسمانوں اور زمین کا ربّ ہو اور اس کا بھی جو اُن دونوں کے درمیان ہے۔ پس اس کی عبادت کر اور اس کی عبادت پر صبر سے قائم رہ۔ کیا تُو اس کا کوئی ہمنام جانتاہے؟''
(سورۃ مریم :66)

خدا تعالیٰ کے ذاتی نام اللہ اور اس کے دوسرے اسماء حسنیٰ جوکہ درحقیقت اس کی صفات ہیں، کے بعد انبیاء کرام کے مبارک اسماء و القاب کا ذکر آئے گا جوکہ قرآن مجید میں درج ہیں۔ حدیث کی ایک روایت کے مطابق اللہ تعالیٰ نے کم و بیش ایک لاکھ چوبیس ہزار انبیاء مختلف اوقات اور زمانوں میں بنی نوع انسان کی ہدایت کیلئے نازل فرمائے ہیں اور سب کے سب خداتعالیٰ کی زندہ صفات کے اظہار کیلئے مبعوث کئے گئے اور انہوں نے درجہ بدرجہ عطا کردہ توفیق الٰہی سے صفات باری تعالیٰ سے اپنی قوم کو روشناس کیا اور صبغۃ اللہ کے رنگ میں رنگین ہو کر اپنی اپنی قوم کیلئے خدا نما وجود بن گئے اور توحید باری تعالیٰ کے قیام کیلئے مساعی جمیلہ سرانجام دیں۔ قرآن کریم میں صرف 26 انبیاء کا نام لیکر تذکرہ فرمایا گیاہے۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام یہ نکتہ بھی بیان فرمایا کرتے تھے کہ انبیاء کے ناموں کے اندر ہی ان کی زندگی کے اہم اور خاص واقعات کی طرف اشارہ اور پیشگوئی مضمر ہے۔ مثلاً جیسا کہ اپنی تصنیف ''مسیح ہندوستان میں'' حضرت مسیح علیہ السلام کے صلیب سے زندہ بچ جانے اور میدان تبلیغ میں ان کی غیر معمولی سیر وسیاحت کرنے کا استنباط ان کے لقب ''مسیح'' سے فرمایا ہے۔ جس کا تذکرہ انشاءاللہ اپنے موقع پر آئے گا۔

اسماء کا مضمون بہت وسیع ہے اور اس کی بہت سی جہات ہیں۔ تاہم زیر قلم مضمون میں قرآن کریم میں مذکورکم و بیش 10 معروف انبیاء کے اسماء کے حوالہ سے کچھ باتیں مختصراً بیان کروں گا۔

حضرت آدم علیہ السلام

سلسلہ انبیاء میں سب سے پہلے حضرت آدم علیہ السلام کا نام آتاہے۔ لفظ آدم کی لغوی بحث بیان کرتے ہوئے تفسیر کبیر ،جلد اول از حضرت مصلح موعود رضی اللہ عنہ، میں مندرجہ ذیل چار معانی بیان کئے گئے ہیں:

اول: آدم کا نام آدم اس لئے رکھا گیا کہ وہ لوگوں کو ایک تمدن پر جمع کرنے والے تھے۔ چنانچہ کہتے ہیں اَدَمَ بینھم (یَادِمُ) اَدْمًا: اَلَّفَ وَوَفَّقَ لوگوں کو جمع کیا۔

دوم: یا پھر اس وجہ سے ان کو آدم کہا گیا کہ وہ مختلف عناصر سے بنے تھے اور ان میں مختلف قوی جمع کردئے گئے تھے۔ کیونکہ اَدَمَ الْخُبْزَ کے معنی ہیں خَلَطَهُ بِالْاِدَامِ کہ روٹی کو سالن کے ساتھ ملا دیا۔

سوم: یا اس لئے کہ وہ اپنے ساتھیوں کیلئے نمونہ تھے چنانچہ جب اَدَمَ اَهْلَهٗ کہیں تو اس کے معنے ہوتے ہیں صَارَلَهُمْ اُسْوَةً کہ وہ اپنے خاندان کیلئے نمونہ بن گیا۔

چہارم: یا اس وجہ سے کہ وہ سطح زمین پر رہتے تھے کیونکہ سطح زمین کو اَدِیْمُ الْاَرْضِ کہتے ہیں

پنجم: یا اس لئے کہ وہ اللہ تعالیٰ اور بندوں کے درمیان ایک وسیلہ تھے کیونکہ اَلْاُدْمَةُ کے معنے اَلْوَسِیْلَةُ کے بھی ہیں۔ (اقرب الموارد)

مزید برآں حضرت مصلح موعود رضی اللہ عنہ لفظ

آدم کی حکمت بیان کرتے ہوئے اپنی مشہور سلسلہ تقاریر ''سیر روحانی'' میں فرماتے ہیں:

''قرآن کریم نے جو پہلے کامل انسان کا نام آدم رکھا تو اس میں بھی ایک حکمت ہے عربی زبان میں آدم کا لفظ دو مادوں سے نکلا ہے، ایک مادہ اس کا ادیم ہے اور ادیم کے معنے سطح زمین کے ہیں اور دوسرا مادہ ادمہ ہے اور ادمہ کے معنے گندمی رنگ کے ہیں۔ پس آدم کے معنے سطح زمین پر رہنے والے یا گندمی رنگ والے کے ہیں اور دونوں کا مفہوم ایک ہی ہے کیونکہ کھلی ہوا اور زمین پر رہنے کی وجہ سے دھوپ کے اثر سے اس کے رنگ پر اثر پڑا۔ حقیقت یہ ہے کہ جب آدم کے ذریعہ خداتعالیٰ نے تمدن کی بنیاد رکھی تو اس وقت آدم اور اس کے ساتھ تعلق رکھنے والے لوگوں نے یہ فیصلہ کیا کہ بجائے زمین کی غاروں میں رہنے کے ہمیں سطح زمین کے اوپر رہنا چاہئے۔۔۔چونکہ انہوں نے باہر سطح زمین پر رہنے کا فیصلہ کیا اس لئے ان کا نام آدم ہو یعنی سطح زمین پر رہنے والے۔ اور کھلی ہوا میں رہنے کا یہ لازمی نتیجہ ہوا کہ ان کا رنگ گندمی ہو گیا۔ پس آدم کا نام اس لئے رکھا گیا کہ وہ کھلی زمین میں مکان بنا کر رہنے لگا اور کھلی زمین پر رہنے کے سبب سے اس کا جسم گندمی رنگ کا ہوگیا جیسا کہ سورج کی شعائیں پڑنے سے ہوجاتا ہے اور اَدیم اور اُدمہ جو لفظ آدم کے مادے ہیں ان دونوں کا مفہوم بھی ایک ہی ہے۔''

(سیر روحانی، صفحہ 27-26، مطبوعہ قادیان 2005)

اسی طرح ایک اور جگہ بھی اس کی مزید تشریح کرتے ہوئے فرمایا:

''علم الانسان بھی ایک نہایت ضروری علم ہے جس کو انگریزی میں Anthropology کہتے ہیں اور لوگوں نے اس علم پر بہت سی کتابیں لکھی ہیں۔ قرآن کریم نے بھی اس پر بحث کی ہے اور اس نے ابو البشر کا نام آدم رکھا ہے۔ یعنی وہ پہلا انسان تھا جس نے سطح زمین پر رہنا شروع کیا۔ تاریخ بتاتی ہے کہ آدم سے پہلے جو لوگ تھے وہ غاروں میں چھپ کر رہتے تھے تاکہ کہیں شیر اور بھیڑیئے اسے کھا نہ جائیں۔ پھر جب تمدن نے ترقی کی اور حضرت آدم علیہ السلام کے ذریعہ لوگوں نے ایک دوسرے کی مدد کرنی شروع کردی تو لوگ غاروں سے باہر نکل آئے اور انہوں نے سطح زمین پر رہنا شروع کیا۔ گویا پہلا کیومین (Caveman)جو زمین پر رہنا شروع ہوا، آدم تھا بلکہ قرآن کریم نے اس کا نام آدم رکھ کر یہ بات واضح کردی ہے کہ وہ Cave یعنی غار کو چھوڑ کر باہر نکل آیا تھا اور اس نے سطح زمین پر مل جل کر رہنا شروع کردیا تھا۔ چنانچہ ادیم الارض کے معنے عربی زبان میں سطح زمین کے ہوتے ہیں۔ گویا آدم کے معنے ہوئے غاروں سے نکل کر سطح زمین پر رہنے والا شخص۔ اس طرح ادیم کے معنے اولیت کے بھی ہیں۔ گویا آدم کے لفظ میں اس طرف بھی اشارہ ہے کہ موجودہ نسل کا پہلا انسان آدم تھا۔ اسی طرح ادم کے معنے ہوتے ہیں صارلھم اسوۃ، وہ ان کیلئے نمونہ ہوگیا۔ یعنی آدم علیہ السلام لوگوں کیلئے ایک نمونہ تھے اور انہوں نے آپ کے نقش قدم پر چلنا شروع کردیا تھا۔۔۔ اسی طرح ادم کے ایک معنے الف و وفق کے ہیں یعنی اس نے فساد دور کیا اور باہم موافقت پیدا کی۔ ان معنوں میں اس بات کی طرف اشارہ کیا گیا ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام نے ہی تہذیب و تمدن کی بنیاد رکھی تھی اور انہوں نے ہی تمدن کو صحیح معنوں میں دنیا میں قائم کیا تھا۔ اس میں فرشتوں کے اس سوال کا جواب بھی آجاتا ہے جو انہوں نے کیا تھا کہ اَتَجۡعَلُ فِیۡهَا مَنۡ یُّفۡسِدُ فِیۡهَا وَ یَسۡفِكُ الدِّمَآءَ یعنی کیا تو اس میں ایسا شخص پیدا کرے گا جو اس میں فساد کرے گا اور

لوگوں کا خون بہائے گا ؟ اللہ تعالیٰ نے بتایا کہ ہم نے تو آدم کو پیدا ہی اس لئے کیا ہے کہ وہ دنیا سے فساد دور کرے۔ خلیفہ تو الگ چیز ہے اس کی پیدائش ہی فساد کو دور کرنے والی تھی۔"

(سیر روحانی، صفحہ 800-799)

مندرجہ بالا حوالہ جات سے اسم آدم کی وجہ تسمیہ کا صحیح ادراک ہوتاہے اور انسان کے دور اولین کی تصویر بھی واضح ہوتی ہے۔

حضرت ادریس علیہ السلام

حضرت ادریس علیہ السلام کا ذکر قرآن کریم میں دو جگہ آیا ہے۔ جن کے مطالعہ سے حق و صداقت اور صبر و استقامت کے میدان میں ان کے بلند و ارفع مقام کے بارہ میں پتہ چلتا ہے۔ حضرت ادریس کے نام، نسب اور زمانہ کے بارہ میں مؤرخین و مفسرین کی مختلف رائے پائی جاتی ہیں۔ بعض اسرائیلی روایات میں ان کو حضرت نوح علیہ السلام کا جد امجد کہا گیا ہے جن کا نام اخنوخ تھا۔ اور عربی میں یہ نام "ادریس" ہے۔ ابن اسحاق کا رجحان اسی طرف ہے۔ اخنوخ کا ایک تلفظ حنوک بھی ہے جو ادریس کے ہم معنی ہے۔انسائیکلوپیڈیا آف اسلام میں لفظ "ادریس" کے تحت لکھا ہے کہ ادریس کا اصل نام اخنوخ ہے اور عربی زبان میں ان کو ادریس کا نام اپنے آباءاجداد آدم اور سیت کی مقدس کتابوں کے پر شوق مطالعہ کی وجہ سے ملا۔ادریس کا ایک معنی "ترجمان" بھی کیا گیا ہے۔متعدد قدیم مفسرین مثلاً بیضاوی اور طبری کے نزدیک ادریس عربی کے لفظ درس سے مشتق ہے یعنی سیکھنا سکھانا۔ اسی طرح الاتقان فی علوم القرآن میں لکھاہے کہ یہ اسم عربی زبان کا لفظ ہے اور دراستہ سے مشتق ہے جس کی وجہ یہ تھی کہ ادریس علیہ السلام صحف آسمانی کا درس بکثرت دیا کرتے تھے۔

حضرت مصلح موعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

"قرآن کریم کے مطالعہ سے پتہ لگتا ہے کہ وہ وہی نام استعمال کرتا ہے جو عربوں کی زبان سے آسانی کے ساتھ ادا ہو سکیں اور یا پھر قرآن مجید اصل نام کا ترجمہ کر لیتا ہے۔جیسے حنوک کے جو معنی ہیں وہی معنی ادریس کے ہیں۔"

(تفسیر کبیر، جلد پنجم، 267)

تورات کی پہلی کتاب پیدائش میں لکھا ہے:

"اور حنوک (اخنوخ) پینسٹھ برس کا ہوا کہ اس سے متوشلح پیدا ہوا اور متوشلح کی پیدائش کے بعد حنوک تین سو برس خدا کے ساتھ چلتا تھا اور اس سے بیٹے اور بیٹیاں پیدا ہوئیں اور حنوک کی ساری عمر تین سو پینسٹھ برس ہوئی اور حنوک خدا کے ساتھ ساتھ چلتا تھا اور غائب ہوگیا اسلئے کہ خدا نے اسے لے لیا۔"

(پیدائش باب 5، 21 تا 24)

بائیبل کے مندرجہ بالا حوالہ سے یہ استنباط ہوتا ہے کہ حضرت ادریس علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ کا خاص قرب اور معیت حاصل تھی اور اسی حالت میں ایک لمبی عمر پائی اور جیسا کہ ایک نبی کی شان ہے ان کا وصال ہوا لیکن بائیبل کا ابتدائی ترجمہ کرنے والوں نے روحانیت

کے اس لطیف بیان اور محاورہ کا لفظی ترجمہ کرکے ان کو بجسم عنصری آسمان پر جا چڑھایا اور بعد میں انہی اسرائیلی روایات کے زیر اثر بعض مفسرین قرآن نے

الفاظ قرآنیہ ”وَ رَفَعْنٰهُ مَكَانًا عَلِيًّا“ کی تفسیر کرتے وقت مذکورہ بالا اسرائیلی روایات و خیالات کی توثیق کی جوکہ قرآن مجید کے منطوق کے بالکل خلاف تھی۔

صحیح ابن حبان میں ایک روایت درج ہے جس کے مطابق حضرت ادریس علیہ السلام پہلے شخص ہیں جنہوں نے قلم کو استعمال کیا۔ گویا ان کے زمانہ میں تمدنِ زندگی میں تحریری تعلیم کی ابتدا ہوئی۔ مروجہ زبان کو تصویری شکل دینے کا آغاز ہوا۔ جس سے بعد میں حروف تہجی ارتقا پذیر ہوئے۔ مذکورہ بالا حدیث سے قرآن کریم کی پہلی وحی کی طرف بھی توجہ مبذول ہوتی ہے جس میں بہت سے حقائق و معارف کے انکشافات میں یہ بات بھی شامل تھی کہ

اِقْرَاْ وَ رَبُّكَ الْاَكْرَمُ ۝ الَّذِيْ عَلَّمَ بِالْقَلَمِ ۝

”پڑھ، اور تیرا رب سب سے زیادہ معزز ہے۔ جس نے قلم کے ذریعہ سکھایا۔“

حضرت خلیفۃ المسیح الرابع فرماتے ہیں:

”انسان کی تمام تر ترقیات کا دور قلم کی بادشاہی سے شروع ہوتا ہے۔ اگر انسانی ترقی میں سے تحریر کو نکال دیا جائے تو انسان جہالتوں کی طرف لوٹ جائے اور پھر کبھی اسے کوئی علمی ترقی نصیب نہیں ہوسکتی۔“

(ترجمہ قرآن، صفحہ 1060)

نیز فرمایا۔

”(اللہ تعالیٰ) نے تمام انسانی ترقی کا راز قلم میں رکھ دیا ہے اگر قلم اور تحریر کا ملکہ انسان کو عطا نہ کیا جاتا تو کوئی ترقی ممکن نہیں تھی۔“

(ترجمہ قرآن، صفحہ 1190)

قصص القرآن میں حضرت ادریس علیہ السلام کے عنوان کے تحت لکھا ہے:

”حضرت ادریس علیہ السلام پہلی ہستی ہیں جنہوں نے علم حکمت و نجوم کی ابتدا کی۔ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو افلاک اور ان کی ترکیب، کواکب اور ان کے اجتماع و افتراق کے نقاط اور ان کے باہم کشش کے رموز و اسرار کی تعلیم دی اور ان کو علم عدد وحساب کا عالم بنایا اور اگر اس پیغمبر خدا کے ذریعہ ان علوم کا اکتشاف نہ ہوتا تو انسانی طبائع کی وہاں تک رسائی مشکل تھی۔“

انسائیکلو پیڈیا آف اسلام میں حضرت ادریس علیہ السلام سے کپڑے بنانے کا فن متعارف کرانے کا بھی ذکر کیا گیا ہے۔ حضرت مصلح موعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

”اسلام کی روایتوں میں خواہ وہ کتنی ہی کمزور کیوں نہ ہوں یہ آتا ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام نے لوگوں کو زراعت سکھائی۔ اور حضرت شیث ؑ نے ان کو کپڑا بننا سکھایا۔ اب چاہے انہیں آدم ؑ نے سکھایا ہو یا شیث ؑ نے یا کسی اور نے اس میں کوئی شبہ نہیں کہ ابتدائی زمانہ میں اس قسم کے امور میں الہام الٰہی مدد کرتا تھا۔ جیسے قرآن کریم میں صاف طور پر یہ ذکر آتا ہے کہ زبان ابتداء میں الہاماً سکھائی گئی تھی۔ چنانچہ فرماتا ہے: وَعَلَّمَ اٰدَمَ الْاَسْمَآءَ كُلَّهَا۔ اس سے قیاس کر کے ہم سمجھ سکتے ہیں کہ جس طرح ابتدائی زمانہ میں الہام کے ذریعہ زبان کا سکھایا جانا ضروری تھا۔ اسی طرح الہام کے ذریعہ انہیں فنون سکھائے جانے بھی ضروری تھے۔ ورنہ اس کے بغیر انسان مدتوں تک تکلیف اٹھاتا چلا جاتا۔

(تفسیر کبیر جلد ہفتم، صفحہ 331)

حضرت نوح علیہ السلام

حضرت نوح علیہ السلام کو آدم ثانی بھی کہا جاتا ہے۔ صاحب الاتقان فی علوم القرآن نے لکھا ہے کہ یہ سریانی زبان کا لفظ ہے جس کے معنی ”شاکر“ کے ہیں۔ نیز لکھا ہے کہ ”حاکم مستدرک میں بیان کرتا ہے کہ نوح کی وجہ تسمیہ ان کا اپنی ذات کی بابت بکثرت رونا تھا۔ اور ان کا نام عبد الغفار ہے“ اور نوح کا لقب اس لئے بھی

ہے کہ وہ اپنے خدا کی فرمانبرداری میں اپنے نفس پر بہت کثرت سے گریہ زاری اور نوحہ کیا کرتے تھے۔ ان دونوں معنوں کی قرآن کریم سے بھی تصدیق ہوتی ہے۔ جیسا کہ فرمایا؛ اِنَّهٗ كَانَ عَبۡدًا شَكُوۡرًا۔یعنی یقیناً وہ بہت ہی شکرگزار بندہ تھا۔ سورہ نوح میں اللہ تعالیٰ کے حضور ان کی سوزوگداز اور عجز وانکسار میں ڈوبی ہوئی دعاؤں کا تذکرہ ملتاہے۔ کہ کس تڑپ سے انہوں نے اپنی قوم کو مختلف انداز میں تبلیغ کی اور ان کو استغفار کرنے کی توجہ دلائی۔ سورہ صافات آیات 76 تا 81 میں اللہ تعالیٰ نے ان کا پر محبت ذکر یوں فرمایا:

”اور یقیناً ہمیں نوح نے پکارا تو (دیکھو) ہم کیسا اچھا جواب دینے والے ہیں۔ اور ہم نے اس کواور اس کے اہل کو بڑی بے چینی سے نجات بخشی۔ اور ہم نے اس کی ذریت کو ہی باقی رہنے والا بنا دیا اور ہم نے بعد میں آنے والوں میں اس کا ذکر خیر باقی رکھا۔ سلام ہو نوح پر تمام جہانوں میں۔ یقیناً ہم اسی طرح اچھے کام کرنے والوں کو جزا دیا کرتے ہیں۔“

حضرت خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

”بائیبل سے پتہ لگتاہے کہ حضرت نوح علیہ السلام کے باپ بڑے نیک آدمی تھے انہوں نے الہام الٰہی سے نوح کا نام رکھا تھا جس کے معنے ہیں نوحہ کرنے والا۔ اس میں اس بات کی طرف اشارہ تھا کہ دنیا میں ان کے زمانہ میں ایک عالمگیر عذاب آئے گا جس سے وہ خود تو بچ جائیں گے مگر ان کی قوم تباہ ہو جائے گی اور وہ اپنی قوم کے تباہ ہونے پر نوحہ کریں گے۔ قرآن کریم نے بھی اس کی تصدیق کی ہے اور حضرت نوح علیہ السلام کے نام کا ذکر کرکے اس توجیہہ کی طرف اشارہ کیا ہے۔“

(سیر روحانی، صفحہ 800)

حضرت ابراہیم علیہ السلام

قرآن کریم میں یہ نام 25 مرتبہ آیا ہے۔ دنیائے عرب کے مشہور و معروف ماہر لسانیات جوہری نے اپنی صحاح میں اور ابن منظور نے اپنی لغت لسان العرب میں لفظ ”ابراہیم“ کو ب ر ھ م کے مادہ کے تحت درج کیا ہے جس سے اشارہ ملتا ہے کہ وہ اس لفظ کو عربی الاصل سمجھتے تھے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام قدیم میسو پتامیہ (موجودہ عراق) کے علاقہ اُر کے رہنے والے تھے۔ بائیبل اور قرآن مجید نے توحید باری تعالیٰ کے اس عظیم داعی کا بارہا تذکرہ کیا ہے۔ ابراہیم کا ایک معنی بائیبل میں مذکور بیانات کی روشنی میں ”قوموں کا باپ“ بھی کیا جاتاہے۔ بائیبل میں لکھاہے:

”میں تجھے ایک بڑی قوم بناؤں گا اور برکت دوں گا اور تیرا نام سرفراز کروں گا، سو تو باعث برکت ہوا۔ جو تجھے مبارک کہے ان کو میں برکت دوں گا اور جو تجھ پر لعنت کرے اس پر میں لعنت کروں گا اور زمین کے سب قبیلے تیرے وسیلے سے برکت پائیں گے۔“

(پیدائش، باب 12 ، آیت 3)

نیز لکھا ہے:

”میں تیری نسل کو خاک کے ذرّوں کی مانند بناؤں گا ایسا کہ اگر کوئی شخص خاک کے ذرّوں کو گن سکے تو تیری نسل بھی گن لی جائے گی۔“

(پیدائش، باب 13 آیت 16)

پھر اسی کتاب کے باب 15 آیت 4 اور 5 میں لکھا ہے:

”خدا وند کا کلام اس پر نازل ہوا۔۔۔ اور کہا کہ اب آسمان کی طرف نگاہ کر اور اگر تو ستاروں کو گِن سکتاہے تو گِن اور اس سے کہا کہ تیری اولاد ایسی ہی ہوگی۔“

کتاب پیدائش کے باب 17 میں دنیاوی اور روحانی ترقیات کی پیش خبریوں پر مشتمل یہ وعدہ خداوندی یوں بیان ہوا ہے:

”اور میں اپنے اور تیرے درمیاں عہد کرتا ہوں کہ میں تجھے نہایت بڑھاؤں گا تب ابراہیم منہ کے بل گرا اور خدا نے اس سے ہم کلام ہوکر فرمایا کہ دیکھ میرا عہد تیرے ساتھ ہے اور تو بہت قوموں کا باپ ہوگا اور تیرا نام پھر ابرام نہ کہلایا جائے گا بلکہ تیرا نام ابراہام ہوگا کیونکہ میں نے تجھے بہت قوموں کا باپ ٹھہرایا اور میں تجھے بہت برومند کرتاہوں اور قومیں تجھ سے پیدا ہوں گی اور بادشاہ تجھ سے نکلیں گے اور میں اپنے اور تیرے درمیان اور تیرے بعد تیری نسل کے درمیان ان کے پشت در پشت کے لئے اپنا عہد جو ہمیشہ کا عہد ہو کرتاہوں کہ میں تیرا اور تیرے بعد تیری نسل کا خدا ہوں گا اور میں تجھ کو اور تیرے بعد تیری نسل کو کنعان کا تمام ملک جس میں تو پردیسی ہے دیتا ہوں کہ ہمیشہ کیلئے ملک ہو اور میں ان کا خدا ہوں گا۔“

(باب 16، آیت 2 تا 8)

حضرت ابراہیم علیہ السلام کو عرب اور یہود قوم کا مورثِ اعلیٰ تسلیم کیا جاتاہے۔ اور جیسا کہ ان کے نام کے اندر اشارہ پایا جاتاہے واقعتاً حضرت ابراہیم علیہ السلام دنیا میں پھیلی ہوئی بہت سی قوموں اور قبائل کے جدِّ امجد ہیں اور دنیا کے تین بڑے مذاہب اسلام، عیسائیت اور یہودیت کے پیروکار ان کو بڑی عزت کے ساتھ یاد کرتے ہیں۔ اسلام میں آنحضرت ﷺ کے جد اعلیٰ ہونے کی وجہ سے بھی ان کی خاص عظمت اور توقیر ہے کہ جن کی تعمیر کعبۃ اللہ کے موقعہ پر کی گئی عاجزانہ دعاؤں کو شرف قبولیت عطا فرماتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے خاتم الانبیاء حضرت اقدس محمد مصطفی ﷺ کو تمام عالم انسانیت کیلئے رسول بنا کر مبعوث فرمایا۔

لفظ ابرام سے ابراہام میں تبدیلی پر انسائیکلو پیڈیا ببلیکا میں تحفظات کا اظہار کیا گیاہے کہ اس کے کوئی معنی نہیں بلکہ یونہی ایک لفظ سے اس کے مشابہ ایک اور لفظ بنا لیا گیا ہے۔ عربی زبان سے استنباط کرتے ہوئے حضرت مصلح موعود رضی اللہ عنہ نے اپنی تفسیر میں اس بات کا رد کیا ہے۔اور اس کے ایک اور لطیف معنی بیان کئے ہیں۔ آپ فرماتے ہیں:

”عربی زبان میں ابرم کے معنے بات کو پکا کرنے کے ہوتے ہیں چنانچہ ابرم الکلام کے معنے ہوتے ہیں احکمہ اس نے کلام کو خوب پکا کیا۔ اور ابرم علیہ فی الجدال کے معنے ہوتے ہیں الح قاصدا افحامہ اس نے بات کو خوب پکا کیا اور نہایت عمدگی سے بحث کی جس میں اس نے غرض یہ رکھی کہ دوسرا سمجھ جائے یعنی اس کا مقصد اسکات خصم نہیں تھا بلکہ اسے سمجھانا مراد تھا۔ پس ابرام کے معنے ہوئے ایسی عمدہ بات کرنے والا اور ایسی اچھی بحث کرنے ولا جو دوسرے کو اپنا مافی الضمیر اچھی طرح سمجھا دے اور اسے ساکت کردے۔

اللہ تعالیٰ کی طرف سے اپنے انبیاء کے جو نام رکھے جاتے ہیں وہ ان کی آئندہ زندگی کے کاموں کی طرف اشارہ کرنے والے ہوتے ہیں بعض دفعہ ایسا بھی ہوتاہے کہ نام رکھنے والے مومن نہیں ہوتے جیسے محمد رسول اللہ ﷺ کا نام اللہ تعالیٰ نے نہیں رکھا بلکہ آپ کے دادا نے رکھا اورآ پ کی والدہ نے اس نام کو پسند کیا لیکن ان کی زبانوں

پر اللہ تعالیٰ نے تصرف کیا اور اس نے ان سے سے وہی نام رکھوایا جو پیشگوئیوں میں موجود تھا۔ یہی حال دوسرے نبیوں کے ناموں کا ہے۔۔۔۔۔اسی طرح خداتعالیٰ نے ابراہیم کے باپ کی زبان پر بھی تصرف کیا اور اس نے وہی نام رکھا جو انکی آئندہ زندگی کا ایک اجمالی نقشہ اپنے اندر رکھتا تھا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام عراق میں پیدا ہوئے تھے جو عرب کا ایک حصہ ہے اور وہاں عربی زبان ہی بولی جاتی تھی۔ عبرانی تو عربی سے بگڑ کر بنی ہے پس خدا نے آپ کا نام آپ کے باپ سے ابرام رکھوایا جس میں یہ پیشگوئی مخفی تھی کہ اللہ تعالیٰ اس شخص کو بڑی اچھی بحث کرنے کی توفیق دے گا اور صداقت کے اظہار کیلئے یہ اپنے مدمقابل کے سامنے اس عمدگی کے ساتھ اپنے خیالات کا اظہار کرے گا کہ وہ ساکت اور لاجواب ہو کر رہ جائے گا۔ چنانچہ قرآن کریم میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے جو واقعات بتائے گئے ہیں ان سے ابراہیم کی یہی صفت ظاہر ہوتی ہے۔ ایک موقع پر آپ نے بادشاہ سے بحث کی اور سورج کے طلوع و غروب سے استدلال کیا تو قرآن کریم کہتاہے کہ فَبُهِتَ الَّذِیْ كَفَرَ (بقرہ:257) وہ کافر بادشاہ مبہوت ہو کر رہ گیا اور آپ کے دلائل کا کا کچھ بھی جواب نہ دے سکا۔ اسی طرح ستاروں۔ چاند اور سورج کے نظام سے آپ نے خدائے قادر کی ذات پر استدلال کیا اور مشرکین کے سامنے دلیلیں دیں کہ وہ لاجواب ہوگئے ۔۔۔۔تو صداقت کی تائید کیلئے دلائل پیش کرنا اور اپنے مخالف سے نہایت عمدہ بحث کرنا یہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی زندگی کا ایک نمایاں وصف ہے ۔ قرآن کریم پڑھ کر دیکھ لواس سے بھی یہی معلوم ہوتاہے اور بائیبل پڑھ کو دیکھ لو تو اس سے بھی یہی معلوم ہوتاہے کہ ابراہیمؑ اعلیٰ درجہ کی بحث کرنے والا تھا اور وہ اپنے مخالف کو چپ کرا دیتاتھا۔ پس ابراہیم بے معنی نام نہیں بلکہ اس کے معنے یہ ہیں کہ وہ بڑی عمدہ بحث کرنے والا ہوگا۔ نہایت اعلیٰ درجہ کے دلائل پیش کرنے والا ہو گا اور ایسی باتیں کرے گا جس سے دوسرا شخص حقیقت کو سمجھ جائے گا۔۔۔۔ہم سمجھتے ہیں کہ عبرانی زبان میں بھی اس کے یہی معنے ہوں گے اور خداتعالیٰ نے ابرام اسی لئے ان کا نام رکھوایا تاکہ یہ بتائے کہ یہ بڑی بحث کرنے والا ہوگا مگر عبرانی زبان کا علم کم ہوجانے کی وجہ سے اسرائیلی علماء کو دھوکا لگا اور انہوں نے خیال کرلیا کہ یہ بے معنی لفظ ہے حالانکہ ابرام سے ابراہام میں تبدیلی کی وجہ خود بائیبل نے بھی بتادی ہے کہ چونکہ تُو"بہت قوموں کا باپ" ہوگا اس لئے آئندہ تیرا نام ابرام ایک فرد نہیں ہوگا بلکہ ابراہام ہوگا اور یہ عبرانی کا قاعدہ ہے کہ ھا لگانے سے جمع بن جاتی ہے گویا وہ ایک فرد نہ رہا بلکہ بہت سے افراد کا مجموعہ ہو گیا۔ قرآن کریم نے بھی فرمایاہے کہ اِنَّ اِبْرَاهِیْمَ كَانَ اُمَّةً (النحل) ابراہیم ایک امت تھا یا دوسرے لفظوں میں کہو کہ وہ ابرام سے ابراہام بن گیا تھا۔ گویا جو بات قرآن کریم نے بیان کی ہے وہی بات بائیبل بھی بیان کرتی ہے۔

(تفسیر کبیر، جلد 5، صفحہ 265)

حضرت اسمٰعیل علیہ السلام

اسمٰعیل۔ یہ نام اسمع اور ایل کا مرکب ہے۔ جس کا مطلب ہے اللہ نے سن لیا۔ یعنی اللہ تعالیٰ نے دعا کو شرف قبولیت بخشا۔ حضرت اسمٰعیل علیہ السلام، حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پہلے بیٹے تھے جو ان کی دعاؤں کی قبولیت کے نتیجہ میں پیدا ہوئے۔ بائیبل کے مطابق حضرت ابراہیم علیہ السلام کی عمر اس وقت 86 برس تھی۔ اور یہ بشارت صرف حضرت ابراہیم علیہ السلام کو ہی نہیں تھی بلکہ ان کی بیوی حضرت ہاجرہ علیہا السلام کو بھی الہاماً

ایک عظیم بیٹے کی خوشخبری عطا کی گئی تھی۔ بائیبل نے اس بشارت ربانی کا ذکر یوں کیا ہے:

"اور خدا وند کے فرشتہ نے اس سے کہا کہ میں تیری اولاد کو بہت بڑھاؤں گا یہاں تک کہ کثرت کے سبب سے اس کا شمار نہ ہوسکے گا۔ اور خداوند کے فرشتہ نے اس سے کہا کہ تو حاملہ ہے اور تیرے بیٹا ہوگا اس کا نام اسمٰعیل رکھنا اس لئے کہ خداوند نے تیرا دکھ سن لیا۔"

(پیدائش، باب 16، آیت 11-10)

مندرجہ بالا تذکرہ سے یہ امر مترشح ہوتا ہے کہ حضرت اسمعیل علیہ السلام کی زندگی اور وجود ان کے مقدس والدین کی دعاؤں کی قبولیت کا زندہ جاوید نشان ربانی تھا۔ دعا کے نتیجہ میں خلعت وجود پانے والے اسمٰعیل کی زندگی میں دعا اور راستی کو بنیادی حیثیت حاصل رہی۔ قرآن کریم اوائل عمر میں ہی سے آپ کی بے مثال فرمانبرداری، معاملہ فہمی اور سلیم القلبی کا ذکر فرماتا ہے ۔ تعمیر کعبہ کے موقع پر آپ کو اپنے عظیم والدِ گرامی حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ہمرکاب ہو کر اللہ تعالیٰ کے حضور مقبول دعاؤں کی توفیق نصیب ہوئی۔ ہاں، یہ وہی سوزوگداز اور عجز وانکساری سے کی ہوئی دعائیں ہی تھیں جن کی قبولیت دنیا نے حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کے وجود باوجود کی صورت میں دیکھی۔ انہی دعاؤں کی قبولیت کے نتیجہ میں آنے والے عظیم الشان موعود رسول و نبی کا انکشاف جب حضرت موسیٰ علیہ السلام، حضرت داؤد علیہ السلام، حضرت سلیمان علیہ السلام، حضرت یسعیاہ علیہ السلام اور حضرت مسیح علیہ السلام اور دوسرے انبیاء علیہم السلام پر ہوا تو انہوں نے اپنے اپنے زمانہ میں، اپنے اپنے انداز میں، اپنی قوم کو اس موعود وجود کی خوش خبری دی اور اس پر ایمان لانے کا میثاق لیا۔ سَلٰمٌ عَلَی الْمُرْسَلِیْنَ۔ یہ بات دلچسپی سے خالی نہ ہوگی کہ علم تعبیر الرؤیا کی رو سے اگر کوئی شخص خواب میں حضرت اسمٰعیل علیہ السلام یا ان کے ہم نام کسی شخص کو دیکھے تو اس بات کی علامت اور خوشخبری ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کی دعاؤں کو قبول فرمالیا ہے۔ اہل اللہ کے تجارب سے بھی یہ بات ثابت ہوتی ہے۔

حضرت مصلح موعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

"موجودہ بائیبل سے بھی ایسے اشارات رکھتی ہے جن سے معلوم ہوتاہے کہ حضرت اسمٰعیل علیہ السلام سے بھی خداتعالیٰ کے بڑے وعدے تھے۔ اوّل تو ان کا نام ہی دلالت کرتا ہے کہ وہ خداتعالیٰ کے پیارے ہونے والے تھے کیونکہ آپ کا الہامی نام اسمعیل تھا جس کے معنے ہیں خدا نے سنی اور یہ نام بلاوجہ نہیں ہوسکتا۔ ۔۔۔۔جو بچہ اللہ تعالیٰ کی بشارت کے ماتحت پیدا ہوا ہو اور الہام میں اس کا نام بھی تجویز ہوا ہو اس کے متعلق یہ کہنا کہ وہ خدا تعالیٰ کا برگزیدہ نہیں تھا خود الہام الٰہی کی تکذیب کرناہے۔۔۔ پیدائش باب 17 آیت 18 میں لکھا ہے "ابراہام نے خدا سے کہا کہ کاش اسمٰعیل تیرے حضور جیتا رہے" اصل عبرانی الفاظ کا ترجمہ یہ ہے کہ " تیری آنکھوں تلے رہے اور تیرا مقبول ہو "حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اس دعا میں " تیرے حضور" کے الفاظ مرکزی حیثیت رکھتے ہیں۔ جو اس بات پر دلالت کرتے ہیں کہ حضرت ابراہیم اپنے بیٹے کے مقبول ومقرب الٰہی ہونے کی دعا کررہے ہیں چنانچہ خداتعالیٰ نے اس دعا احسن رنگ میں پورا فرمایا اور ابراہیم کی زندگی میں ہی ان کی سعادت مندی، اطاعت الٰہی کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے الہاماً فرمایا:

"اور اسمٰعیل کے حق میں میں نے تیری سنی دیکھ میں اسے برکت دوں گا اور اسے برو مند کروں گا اور اسے بہت بڑھاؤں گا اور اس سے بارہ سردار پیدا ہوں گے اور میں اسے بڑی قوم بناؤں گا۔"(پیدائش باب 17 آیت 20)

(تفسیر کبیر جلد دوم، 212)

حضورؓ اسم "اسمٰعیل" کی وجہ تسمیہ کے ضمن میں مزید فرماتے ہیں:

"اسمٰعیل سَمِعَ سے ہے۔اس میں یہ بتایا گیا

تھا کہ خدا اس کی دعا کو سنے گا چنانچہ حضرت اسمٰعیل نے پیر مارے اور چشمہ پھوٹ پڑا"

گویا شدت پیاس کی وجہ سے ننھے اسمٰعیل کے صحراء میں ایڑیاں رگڑنے اور رونے میں دعا کا ہی مضمون جاری تھا۔ جس کی قبولیت کا ایک نظارہ دنیا نے آب زم زم کی شکل میں مشاہدہ کیا۔ نماز اور دعاؤں سے عمر بھر آپ کے شغف اور تلقین عمل کی گواہی قرآن کریم نے ان الفاظ میں دی:

وَكَانَ يَأْمُرُ اَهْلَهٗ بِالصَّلٰوةِ وَالزَّكٰوةِ ۪ وَكَانَ عِنْدَ رَبِّهٖ مَرْضِيًّا

"اور وہ اپنے گھر والوں کو نماز اور زکوٰۃ کا حکم دیا کرتا تھا اور اپنے رب کے حضور بہت ہی پسندیدہ تھا۔"
(مریم:56)

حضرت یعقوب علیہ السلام

پیرانہ سالی میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کو ایک بیٹے اسحٰق کے علاوہ پوتے یعنی یعقوب کی بھی خوشخبری بھی سنائی گئی تھی۔ جیسا کہ و من وراء اسحق یعقوب کے الفاظ سے ظاہر ہے۔ لفظ یعقوب میں تعقیب یعنی بعد میں آنے اور پیچھے آنے کا مفہوم پایا جاتا ہے۔ چنانچہ حضرت یعقوب نہ صرف پیشگوئی کے مطابق حضرت اسحٰق کے ہاں تولد ہوئے بلکہ آپ نے اپنے بعد بارہ بیٹے بھی چھوڑے جن سے بارہ بڑے قبیلے وجود میں آئے جو یہودیت کے تاریخ میں اہم مقام رکھتے ہیں۔ قرآن کریم نے بارہا یہود کو بنی اسرائیل کے لقب سے خطاب کرتے ہوئے ان کو اپنے عظیم جد امجد حضرت یعقوب علیہ السلام جن کا الہامی لقب اسرائیل جس کا مطلب خدا کا پہلوان کیا گیا ہے، کی تعلیمات یاد رکھنے اور انعامات اور احسانات خداوندی کا شکر ادا کرتے ہوئے نبی آخر الزمان ﷺ پر ایمان لانے کی تلقین کی ہے۔

بائیبل کے مفسرین نے کتاب مقدس کے بیان کی روشنی میں یعقوب نام کی وجہ تسمیہ بیان کرتے ہوئے لکھا ہے کہ حضرت اسحٰق کے ہاں دو جڑواں بچوں نے جنم لیا تھا یعنی عیسو اور یعقوب نے۔ جب عیسو پیدا ہوا تو اس کے جسم پر سرخ رنگ کے بال تھے اور اور یعقوب عیسو کی ایڑی کو اپنے ہاتھ سے پکڑے ہوا تھا جو کہ عیسو کے بعد تولد ہوا تھا۔ دونوں لڑکوں کے والدین نے اس مناسبت سے پہلے پیدا ہونے والے بچہ کا نام عیسو رکھا اور دوسرے بچہ کا نام یعقوب رکھا یعنی ایڑی پکڑنے والا یا ایک کی ایڑی کے پیچھے آنے والا۔ (پیدائش، باب 25 آیت25)۔ تاہم "یعقوب" کے اسم کی معنوی حقیقت وہی ہے جو کہ ان کی مجموعی زندگی پر ایک نظر کرنے سے معلوم ہوتی ہے۔ اور اوپر بیان ہوئی۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام

موسیٰ کا مطلب ہے: پانی سے نکالا ہوا۔ حضرت خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ عنہ اس بارہ میں رقم فرماتے ہیں:

"عبرانی زبان میں موسیٰ کا نام "موشے" آتا ہے اور اگر "موشے" کو دو حصوں میں تقسیم کر دیا جائے تو ایک حصہ "مو" بنے گا جس کے معنے پانی کے ہوں گے۔ اور دوسرا حصہ "شے" بنے گا جس کے معنے چیز کے ہوں گے۔ عربی اور عبرانی زبانیں آپس میں ملتی جلتی ہیں عربی زبان میں پانی کیلئے ماء کا لفظ ہے اور چیز کیلئے شیٔ کا۔(تفسیر کبیر جلد اول، ص436)۔ اس سے واضح ہوتا ہے کہ اس اسم کے معانی میں پانی کو ایک مرکزی حیثیت حاصل ہے۔ چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ موسیٰ علیہ السلام کی زندگی میں اس کا خاص عمل دخل رہا ہے۔ جو کہ الفاظ قرآنیہ:

1) وَاِذِ اسْتَسْقٰى مُوْسٰى لِقَوْمِهٖ فَقُلْنَا اضْرِبْ بِّعَصَاكَ الْحَجَرَ ؕ فَانْفَجَرَتْ مِنْهُ اثْنَتَا عَشْرَةَ عَيْنًا ؕ قَدْ عَلِمَ كُلُّ اُنَاسٍ مَّشْرَبَهُمْ ؕ

"اور جب موسیٰ نے اپنی قوم سے کے لئے پانی مانگا تو ہم نے کہا کہ چٹان پر اپنے عصا سے ضرب لگاؤ۔

تب اس میں سے بارہ چشمے پھوٹ پڑے اور سب لوگوں نے اپنے اپنے پانی پینے کی جگہ معلوم کر لی۔"
(البقرہ:61)

2) وَجَاوَزْنَا بِبَنِيٓ اِسْرَآءِيْلَ الْبَحْرَ فَاَتْبَعَهُمْ فِرْعَوْنُ وَجُنُوْدُهٗ بَغْيًا وَّ عَدْوًا ؕ حَتّٰٓى اِذَآ اَدْرَكَهُ الْغَرَقُ
(یونس:91)

"اور ہم بنی اسرائیل کو سمندر پار اُتار لائے تو فرعون اور اس کے لشکروں نے بغاوت اور زیادتی سے کام لیتے ان کا تعاقب کیا یہاں تک کہ جب اسے غرقابی نے آلیا۔"

3) وَ اِذْ فَرَقْنَا بِكُمُ الْبَحْرَ فَاَنْجَيْنٰكُمْ وَ اَغْرَقْنَآ اٰلَ فِرْعَوْنَ وَ اَنْتُمْ تَنْظُرُوْنَ ۝

"اور جب ہم نے تمہارے لئے سمندر کو پھاڑ دیا اور تمہیں نجات دی جب کہ ہم نے فرعون کی قوم کو غرق کر دیا اور تم دیکھ رہے تھے۔"
(البقرہ آیت 51)

اور اسی طرح کی دوسری آیات سے ظاہر ہے۔

حضرت داؤد علیہ السلام

حضرت داؤد علیہ السلام بنی اسرائیل میں ایک بادشاہ نبی گذرے ہیں۔ ان کے نام کے مفہوم کا مرکزی نکتہ محبت ہے۔ یعنی ان کے نام میں "محبت کرنے اور محبوب ہونے" کے معنے پائے جاتے ہیں۔ حضرت داؤد علیہ السلام خدا تعالیٰ کی محبت میں سرشار تھے جس کی جھلک زبور کے مطالعہ سے بخوبی آشکار ہوتی ہے۔ اسی محبت الٰہی کی وجہ سے آپ کا عبادت میں خاص شغف تھا۔ آپ نہایت خوش الحان تھے اور اپنے مزامیر میں اللہ تعالیٰ کی کثرت سے تسبیح و تحمید بیان کیا کرتے تھے۔ اللہ تعالیٰ کو آپ کی یہ ادا کچھ اس طرح پسند آئی کہ تا قیامت اس کا تذکرہ اپنی پاک دائمی کتاب قرآن مجید میں محفوظ کر دیا۔ اور "جبال" اور "طیور" کو آپ کے ہم نوا ہو کر خدا تعالیٰ کی تسبیح کرنے کا حکم ہوا:

وَلَقَدْ اٰتَيْنَا دَاوٗدَ مِنَّا فَضْلًا ؕ يٰجِبَالُ اَوِّبِيْ مَعَهٗ وَالطَّيْرَ ۚ وَ اَلَنَّا لَهُ الْحَدِيْدَ ۝

"اور یقیناً ہم نے داؤد کو اپنی طرف سے ایک بڑا فضل عطا کیا تھا (جب یہ اذن دیا کہ) اے پہاڑو! اس کے ساتھ جھک جاؤ اور اے پرندو! تم بھی۔ اور ہم نے اس کے لئے لوہے کو نرم کر دیا۔"
(سورۃ سبا:11)

اور خود حضرت خاتم الانبیاء محمد مصطفیٰ ﷺ کو بھی یہ ارشاد ربانی ہوا کہ ہمارے پیارے بندے داؤد کا تذکرہ حسنہ بھی کیا کریں جو کہ باوجود قوت وشوکت رکھنے کے مخالفین کی دل آزار باتوں پر صبر سے کام لیا کرتا تھا۔اور وہ خدا تعالیٰ کی طرف بار بار جھکنے والا وجود تھا:

اِصْبِرْ عَلٰى مَا يَقُوْلُوْنَ وَاذْكُرْ عَبْدَنَا دَاوٗدَ ذَا الْاَيْدِ ۚ اِنَّهٗٓ اَوَّابٌ ۝ اِنَّا سَخَّرْنَا الْجِبَالَ مَعَهٗ يُسَبِّحْنَ بِالْعَشِيِّ وَ الْاِشْرَاقِ ۝ وَالطَّيْرَ مَحْشُوْرَةً ؕ كُلٌّ لَّهٗٓ اَوَّابٌ ۝ وَ شَدَدْنَا مُلْكَهٗ وَ اٰتَيْنٰهُ الْحِكْمَةَ وَ فَصْلَ الْخِطَابِ ۝

"صبر کر اس پر جو وہ کہتے ہیں اور ہمارے بندے داؤد کو یاد کر جو بڑی دسترس والا تھا۔ یقیناً وہ عاجزی سے بار بار جھکنے والا تھا۔ یقیناً ہم نے اس کے ساتھ پہاڑوں کو مسخر کر دیا، وہ ڈھلتی ہوئی شام اور پھوٹتی صبح کے وقت تسبیح کرتے تھے۔ اور اکٹھے کئے ہوئے پرندوں کو بھی (اس کے لئے مسخر کر دیا تھا)۔ سب اس (یعنی ربّ) کے حضور جھکنے والے تھے۔اور اس کی سلطنت کو ہم نے مضبوط کر دیا اور اسے حکمت اور فیصلہ کن کلام بخشے۔"
(سورہ صٓ: 18 تا 21)

چنانچہ حضرت نبی کریم ﷺ کی مختلف احادیث

مبارکہ سے اس ارشاد ربانی کی تعمیل کا پتہ چلتاہے۔

جامع ترمذی کی ایک حدیث مبارکہ میں حضور ﷺ نے حضرت داؤد علیہ السلام کی عبادت الٰہی کا خاص ذکر کرتے ہوئے اپنی امت کو خدا تعالیٰ کی محبت پانے کیلئے یہ دعا بھی سکھائی:

"اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُكَ حُبَّكَ وَ حُبَّ مَنْ یُحِبُّكَ وَالْعَمَلَ الَّذِیْ یُبَلِّغُنِیْ حُبَّكَ اللّٰھُمَّ اجْعَلْ حُبَّكَ اَحَبَّ اِلَیَّ مِنْ نَفْسِیْ وَاَھْلِیْ وَ مِنَ الْمَاءِ الْبَارِدِ"

"اے اللہ میں تجھ سے تیری محبت کا سوال کرتا ہوں اور اس کی محبت کا جو تجھ سے محبت کرتا ہے اور اس عمل کا جو مجھے تیری محبت تک پہنچا دے۔ اے اللہ اپنی محبت مجھے اپنی جان، اپنے عزیز و اقارب اور ٹھنڈے پانی سے بھی زیادہ محبوب بنادے۔"

(ترمذی کتاب الدعوات)

اسی طرح قرآن کریم کے سجدات کے موقع پر پڑھی جانے والی دعاؤں کے ضمن میں مندرجہ ذیل دعا بھی سکھائی جس سے حضرت داؤد علیہ السلام کی اللہ تعالیٰ سے محبت اور قبولیت کا ذکر بڑے پیارے انداز میں فرمایا گیاہے۔

اَللّٰھُمَّ اکْتُبْ لِی بِھَا عِنْدَكَ أَجْرًا، وَضَعْ عَنِّی بِھَا وِزْرًا،وَاجْعَلْھَا لِیْ عِنْدَكَ ذُخْرًا، وَتَقَبَّلْتَھَا مِنِّی كَمَا تَقَبَّلْتَھَا مِنْ عَبْدِكَ دَاوٗدَ

"اے اللہ اپنی جناب میں میرے لئے اس (سجدہ) کا اجر لکھ دے۔ اور (مجھ سے) میرا بوجھ اتار دے اور اسے میرے لئے اپنی جناب میں ذخیرہ بنا دے اور میری طرف سے اس کو قبول فرمالے جیسا کہ تو نے اپنے بندہ داؤد سے قبول فرمایا تھا۔"

(ترمذی، کتاب الجمعۃ، باب مایقول فی سجود القرآن، حدیث نمبر ۵۷۹، ابن ماجہ، کتاب اقامۃ الصلوٰۃ و السنۃ، باب سجود القرآن، حدیث نمبر ۱۰۵۳)

حضرت سلیمٰن علیہ السلام

سلیمان کے معنی میں امن، فرمانبرداری اور اطاعت کا مفہوم پایا جاتا ہے۔ قرآن کریم نے آپ پر ہونے والے مختلف افضال خداوندی کا ذکر فرمایاہے۔ آپ اطاعت خداوندی میں طاق اور شکر گذار وجود تھے۔ جس کا اندازہ قرآن کریم میں منقول آپ کی دعا:

رَبِّ اَوْزِعْنِیْٓ اَنْ اَشْكُرَ نِعْمَتَكَ الَّتِیْٓ اَنْعَمْتَ عَلَیَّ وَ عَلٰی وَالِدَیَّ وَ اَنْ اَعْمَلَ صَالِحًا تَرْضٰىهُ وَ اَدْخِلْنِیْ بِرَحْمَتِكَ فِیْ عِبَادِكَ الصّٰلِحِیْنَ

"اے میرے رب! مجھے توفیق بخش کہ میں تیری نعمت کا شکر ادا کروں جو تو نے مجھ پر کی اور میرے ماں باپ پر کیااور ایسے نیک اعمال بجا لاؤں جو تجھے پسند ہوں ۔اور تو مجھے اپنی رحمت سے اپنے نیکو کار بندوں میں داخل کر۔"

(النمل:20)

سے بخوبی ہوتاہے۔ قرآن کریم نے نِعْمَ الْعَبْد (کیا ہی اچھا بندہ تھا) اور اَوَّاب (باربار عاجزی سے جھکنے والا) کے الفاظ سے آپ کی توصیف و تحسین فرمائی۔ اسرائیلیات کے زیر اثر بعض تفاسیر میں آپ سے بعض ایسی باتیں منسوب کی گئی ہیں جن کا حقیقت سے کوئی تعلق نہیں۔ اسی طرح بائیبل نے جہاں ایک مقام پر آپ کی بہت تعریف کی ہے تو دوسرے مقام پر آپ پر شرک پرستی اور عیش پرستی کا الزام لگانے سے بھی دریغ نہیں کیا۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ آپ ہمیشہ توحید باری تعالیٰ کے علمبردار رہے۔ چنانچہ جب آپ کے علم میں آیا کہ ملکہ سبا اور اس کی قوم سورج پرست ہے تو آپ نے ملکہ پر اس غلطی کو واضح کرنے نہایت فراست اور عقل سے ایک منصوبہ تیار کرکے ملکہ کو دعوت دی اور اپنے مکتوب کے آغاز میں ہی بسم اللہ الرحمن الرحیم درج فرما کریہ پیغام بھی دے دیا کہ میں اس خدا کا نام لے کر تمہیں (وَاْتُوْنِیْ مُسْلِمِیْنَ: اور میرے پاس فرمانبردار

ہو کر چلے آؤ) کہہ رہا ہوں جو بہت رحیم اور بار بار رحم کرنے والا ہے، گویا مجھ سے کسی قسم کی زیادتی کا خوف نہ کرنا۔ میں امن و سلامتی کا شہزادہ ہوں۔

قرآن کریم میں اس کا ذکر سورہ النمل آیات 28 تا 45 میں ملتاہے۔ چنانچہ ملکہ جو خود بڑی عقلمند اور ذہین تھی اس کو جونہی اپنی غلطی کا احساس ہوا تو اس نے فوراً شرک ترک کرکے توحید باری تعالیٰ کیلئے سر تسلیم خم کردیا۔ اس موقع پر ملکہ سبا کے جذبات کا اظہار قرآن کریم نے

رَبِّ اِنِّیۡ ظَلَمۡتُ نَفۡسِیۡ وَ اَسۡلَمۡتُ مَعَ سُلَیۡمٰنَ لِلّٰہِ رَبِّ الۡعٰلَمِیۡنَ۝

”اے میرے رب ! یقیناً میں نے اپنی جان پر ظلم کیا۔اور (اب) میں سلیمان کے ساتھ اللہ، تمام جہانوں کے رب کی فرمانبردار ہوتی ہوں۔“

کے الفاظ میں تا قیامت محفوظ فرما کر حقیقت حال سے واضح فرما دیا کہ امن و سلامتی کے شہزادہ حضرت سلیمان علیہ السلام واقعی اسم بامسمی تھے۔

حضرت یحییٰ علیہ السلام

یحییٰ کے لفظ میں زندہ رہنے کا مفہوم پایا جاتاہے۔بعض تاریخی روایات کے مطابق آپ کو شہید کردیا گیا تھا۔ بعض مفسرین کرام آپ کے نام کے معانی کے تناظر میں اس بات کے قائل نہیں تھے کہ آپ کو قتل کردیا گیا تھا۔ لیکن شہید ہونے کی تاریخی روایات اس کے متناقض نہیں کیونکہ قرآن کریم کی رو سے شہید مردہ نہیں بلکہ زندہ ہوا کرتاہے اور حیات ابدی کا جام پی لیتاہے۔ قرآن کریم میں بڑی صراحت کے ساتھ یہ مضمون بیان ہوا ہے۔ سورۃ البقرہ کی آیت 155 میں ہم تلاوت کرتے ہیں:

وَلَا تَقُوۡلُوۡا لِمَنۡ یُّقۡتَلُ فِیۡ سَبِیۡلِ اللّٰہِ اَمۡوَاتٌ ؕ بَلۡ اَحۡیَآءٌ وَّلٰکِنۡ لَّا تَشۡعُرُوۡنَ۝

”اور جو اللہ کی راہ میں قتل کئے جائیں ان کو مردے نہ کہو بلکہ (وہ تو) زندہ ہیں لیکن تم شعور نہیں رکھتے۔“

اسی طرح سورہ آل عمران آیت 170 میں اس حقیقت کو یوں بیان فرمایا گیاہے:

وَلَا تَحۡسَبَنَّ الَّذِیۡنَ قُتِلُوۡا فِیۡ سَبِیۡلِ اللّٰہِ اَمۡوَاتًا ؕ بَلۡ اَحۡیَآءٌ عِنۡدَ رَبِّہِمۡ یُرۡزَقُوۡنَ۝

”اور جو اللہ کی راہ میں قتل کئے گئے ان کو ہرگز مردے گمان نہ کر بلکہ (وہ تو) زندہ ہیں (اور) انہیں ان کے رب کے ہاں رزق عطاء کیا جارہا ہے۔“

جو بزرگان امت ان کی شہادت کے قائل ہیں وہ ان کے نام کے معنی یہ بھی بیان کرتے ہیں کہ ”یحییٰ کے معنی ہیں: ”یَمُوۡتُ“ (وہ مر جائیں گے) اس طریقہ پر جس طرح کہ مَھۡلَکَۃ کو مَفَازَۃ اور لَدِیۡغُ (مارگزیدہ) کو سَلِیۡمُ کہا جاتاہے۔(الاتقان)

حضرت خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ عنہ اپنی تفسیر میں فرماتے ہیں:

یحییٰ کے متعلق یہ امر بھی یاد رکھنا چاہئے کہ عربی میں یہ با معنی لفظ ہے۔ اور یحییٰ کے معنے ہیں وہ شخص جو زندہ رہتا ہے پس اسمہ یحییٰ میں اس طرف اشارہ کیاگیا تھا کہ یہ بچہ زندہ رہے گا تم اس کا نام یحییٰ رکھنا۔ یا اس کے صفت یحییٰ ہوگی اور ہمیشہ زندہ رہنے والا ہوگا۔ قرآن کریم سے پتہ لگتا ہے کہ شہداء ہمیشہ زندہ رہتے ہیں۔ اس لحاظ سے یحییٰ نام میں یہ پیشگوئی کی گئی تھی کہ یہ خدا تعالیٰ کی راہ میں شہید ہوگا اور ایسے اعلیٰ درجے کا روحانی مقام رکھے گا۔ کہ دنیا میں اس کا نام ہمیشہ زندہ رہے گا۔۔۔رسول کریم ﷺ نے فرمایا ہے کہ اب تک ایک لاکھ چوبیس ہزار

انبیاء گذرے ہیں۔ مگر ہمیں تو سو 100 نبیوں کا بھی علم نہیں۔ باقی سب مر گئے ہیں، پس نبی کے لئے یہ ضروری نہیں ہوتا کہ وہ ہمیشہ زندہ رہے۔ بعض زندہ رہتے ہیں اور بعض مر جاتے ہیں۔ حضرت یحییٰ علیہ السلام ان نبیوں میں سے ہیں جو ہمیشہ کے لئے زندہ رکھے گئے ہیں کیونکہ ان کی نبوت مسیح علیہ السلام کے ساتھ وابستہ تھی اور مسیح علیہ السلام اسلئے نہیں مر سکتے کہ ان کی نبوت محمد رسول اللہ ﷺ کے ساتھ وابستہ تھی جو ہمیشہ کے لئے زندہ رہنے والے نبی ہیں۔۔۔ یحییٰ وہ پہلے ہیں جن کے متعلق یہ کہا گیا ہے کہ وہ الیاس کا نام پا کر آئے ہیں گویا ارہاص والے نبیوں میں سے یہ پہلے نبی تھے۔ جو الیاس کا نام پا کر اسی کی خوبو پر آئے۔ اس سے پہلے پرانے نبیوں میں کوئی ایسا نبی نہیں مل سکتا جو کسی دوسرے نبی کے لئے ارہاص کے طور پر آیا ہو۔ لیکن یحییٰ کے بعد حضرت مسیحؑ آگئے جو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیلئے ارہاص تھے اور پھر حضرت سید احمد صاحب بریلوی آگئے جو حضرت مسیح موعودؑ کیلئے ارہاص تھے۔ پس لَمۡ نَجۡعَلۡ لَّهٗ مِنۡ قَبۡلُ سَمِيًّا میں یہی خبر دی گئی تھی کہ ہم نے اس سے پہلے کسی اور کو اس کا مثل نہیں بنایا۔ یعنی یحییٰ وہ پہلے شخص ہیں جو کسی کے مثیل ہو کر آئے ہیں چنانچہ دیکھ لو اب حضرت مسیح موعود علیہ الصلوۃ والسلام تشریف لائے ہیں تو ہمیں بار بار یحییٰ کا نام لینا پڑتا ہے۔ کیونکہ پیشگوئیوں میں بتایا گیا تھا کہ مسیح آسمان سے نازل ہو گا۔ جب مخالف ہم سے پوچھتے ہیں کہ بتاؤ وہ مسیح علیہ السلام کہاں ہے؟ تو ہم کہتے ہی مسیح ناصری کے وقت میں بھی لوگوں نے یہی سوال کیا تھا۔ جب حضرت مسیح علیہ السلام نے دعویٰ کیا تو لوگوں نے پوچھا کہ ملاکی نبی کی کتاب میں ایلیاہ کے دوبارہ نزول کی خبر دی گئی تھی اور بتایا گیا تھا کہ وہ مسیح سے پہلے آئے گا وہ ایلیاہ کہاں ہے۔ حضرت مسیح علیہ السلام نے جواب دیا کہ یوحنا ہی ایلیاہ ہے۔ اگر چاہو تو قبول کر لو۔ پس جس طرح وہاں ایلیاہ کے نام پر یوحنّا آیا اسی طرح یہاں مسیح ناصری کے نام پر خدا تعالیٰ نے ایک دوسرے مسیح کو بھیج دیا۔ اس طرح اب ہماری جماعت بھی مجبور ہے کہ وہ یحییٰ کے نام کو زندہ رکھے کیونکہ مَثَلِیّت کا نکتہ انہی کے ذریعہ سے حل ہوا ہے۔

(تفسیر کبیر جلد پنجم صفحہ 128 تا 131)

حضرت عیسیٰ ابن مریم علیہ السلام

حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے حضرت مسیح ابن مریم علیہ السلام کے صلیب سے نجات پانے اور بعد ازاں کشمیر کی طرف سفر اختیار کرنے کے ضمن میں لفظ ''مسیح'' کو بھی بطور دلیل پیش فرمایا ہے۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام اپنی مایہ ناز تصنیف ''مسیح ہندوستان'' میں لسان العرب کا حوالہ دیتے ہوئے فرماتے ہیں:

''لسان العرب کے صفحہ 431 میں لکھا ہے ''قِیل سُمِّیَ عیسیٰ بمسیح لانَّهٗ کان سائحًا فی الارض لا یستقرّ'' یعنی عیسیٰ کا نام مسیح اس لئے رکھا گیا کہ وہ زمین میں سیر کرتا رہتا تھا اور کہیں اور کسی جگہ اس کو قرار نہ تھا۔ یہی مضمون تاج العروس شرح قاموس میں بھی ہے۔''

مولویوں کے اس عقیدہ کے رد میں کہ حضرت مسیح علیہ السلام زندہ آسمان پر تشریف فرما ہیں۔ حضور علیہ السلام نے ایک مجلس عرفان میں فرمایا:

''مسیح کے معنے بہت ''سیر کرنے والا'' ہیں۔ اب ان سے کوئی پوچھے کہ جب وہ آسمان پر ہے تو اس نے سیر کہاں کی ہوگی اور لفظ مسیح کے

معنے اس پر کیسے صادق آئیں گے۔ ایک طرف اسے آسمان پر بٹھاتے ہیں دوسری طرف سیاح کہتے ہیں تو اس کی سیاحت کا وقت کونسا ہوا۔"

(ملفوظات، جلد دوم، صفحہ 590)

علم تعبیر الرؤیا میں اسماء اور القاب کی اہمیت تجارب سے مسلم ہے۔ تعبیر الرؤیا کی کتب میں حضرت مسیح علیہ السلام کو رؤیا میں دیکھنے کی تعبیر نقل مکانی اور ہجرت سے کی جاتی ہے اس سلسلہ میں ایک دلچسپ روایت ملتی ہے کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی موجودگی میں حضرت مولانا عبد الکریم صاحب سیالکوٹی رضی اللہ عنہ نے ذکر کیا کہ "آج میں تعبیر الرؤیا پڑھ رہا تھا۔ ایک مقام پر مجھے بہت ہی لطف آیا۔ لکھاہے کہ اگر کوئی حضرت عیسیٰ کو خواب میں دیکھے تو وہ دلالت کرتاہے کہ نقل مکانی کرے گا۔"

(ملفوظات جلد دوم ،صفحہ 294)

حضرت محمد ﷺ

ہمارے پیارے نبی ﷺ کا نام نامی، اسم گرامی 'محمد' ہے۔ لفظ محمد حمد سے اسم مفعول ہے جو حمد کی صفت اور کیفیت کا عکاس ہے اور مضاعف سے مبالغہ کا صیغہ ہے۔ حمد سے محمد اسی طرح بنایا گیا ہے جیسے کرم سے مکرم۔ دربار نبوی ﷺ کے معروف شاعر حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ کا شعر ہے:

وَ شَقَّ لَهُ مِنِ اسْمِهٖ لِيُجِلَّهٗ
فَذُو الْعَرْشِ مَحْمُوْدٌ وَّ هٰذَا مُحَمَّدٌ

"اللہ تعالیٰ نے آپ کی عظمت ظاہر کرنے کیلئے آپ کا نام اپنے نام سے مشتق کیا۔ دیکھو، رب العرش تو محمود ہے اور یہ محمد ہیں۔"

(رحمۃ للعلمین، از قاضی منصور پوری)

حدیث میں حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا:

اَنَا مُحَمَّدٌ وَاَنَا اَحْمَدُ وَالْحَاشِرُ

(مسلم)

قرآن کریم میں آنحضرت ﷺ کے اسم علم "محمد" کا چار مرتبہ مختلف مقامات پر تذکرہ فرمایا گیا ہے۔ محمد کے معنی ہیں "بہت زیادہ تعریف کیا گیا" اس میں ایک یہ بھی پیشگوئی مضمر تھی کہ وہ ایک ایسے مبارک وجود ہیں جن کی دنیا میں سب سے زیادہ خوبیاں بیان کی جائیں گی اور جس کی تعریف و توصیف تسلسل و تواتر کے ساتھ بیان کی جائے گی۔ محمد کا لفظ صفات حمیدہ کی کثرت پر دلالت کرتا ہے۔ حضرت ڈاکٹر میر محمد اسمٰعیل صاحب رضی اللہ عنہ نے اپنی معروف نعت: بدرگاہ ذیشان خیر الانام میں آپ ﷺ کے نام نامی اور آپ ﷺ کے اسم بامسمی ہونے کا کیا ہی جامع تذکرہ فرمایا ہے:

محمد ہی نام اور محمد ہی کام
علیك الصلوة علیك السلام

حضرت مسیح موعود علیہ السلام اسم "محمد" کے کمالات بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"ہمارے نبی ﷺ تمام انبیاء کے نام اپنے اندر جمع رکھتے ہیں کیونکہ وہ وجود پاک جامع کمالات متفرقہ ہے۔ پس وہ موسیٰ بھی ہے اور عیسیٰ بھی اورآدم بھی اور ابراہیم بھی اور یوسف بھی اور یعقوب بھی۔ اسی کی طرف اللہ جل شانہٗ اشارہ

فرماتاہے فبھدھم اقتدہ یعنی اے رسول توان تمام ہدایات متفرقہ کو اپنے وجود میں جمع کرلے۔ جوہر ایک نبی خاص طور پر اپنے ساتھ رکھتا تھا۔ پس اس سے ثابت ہے کہ تمام انبیاء کی شانیں آنحضرت ﷺ کی ذات میں شامل تھیں اور درحقیقت محمد کانام ﷺ اسی کی طرف اشارہ کرتا ہے۔ کیونکہ محمد کے یہ معنے ہیں کہ بغایت تعریف کیا گیا۔"

(آئینہ کمالات اسلام ، صفحہ 343)

حضور علیہ السلام حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کے اسم با مسمی ہونے کا مزید ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں

"اللہ تعالیٰ نے پیشگوئی کے طور پر آنحضرت ﷺ کا نام محمد رکھا۔ جس سے زمین پر بھی آپؐ کی ستائش ہوئی ، کیونکہ آپؐ نے زمین کو امن ، صلحکاری ااور اخلاق فاضلہ اور نیکوکاری سے بھر دیا تھا۔۔۔۔مکہ میں جن لوگوں نے دکھ دیئے تھے۔جب آپؐ نے مکہ فتح کیا تو آپ چاہتے تو سب کو ذبح کر دیتے،مگر آپؐ نے رحم کیا اور لا تثریب علیکم الیوم کہہ دیا۔آپؐ کا بخشنا تھا کہ سب مسلمان ہو گئے ۔ اب اس قسم کے عظیم الشان اخلاقِ فاضلہ کیا کسی نبی میں پائے جاتے ہیں۔ہر گز نہیں۔وہ لوگ جنہوں نے آپؐ کی ذاتِ خاص اور عزیزوں اور صحابہؓ کو سخت تکلیفیں دی تھیں اور ناقابل عفو ایذائیں پہنچائی تھیں۔آپؐ نے سزا دینے کی قوت اور اقتدار کو پاکر فی الفور اُن کو بخش دیا،حالانکہ اگر ان کو سزا دی جاتی تو یہ بالکل انصاف اور عدل تھا،مگر آپؐ نے اس وقت اپنے عفو اور کرم کا نمونہ دکھایا۔یہ وہ امور تھے کہ علاوہ معجزات کے صحابہ پر موثر ہوئے تھے۔اس لیئے آپؐ اسمِ بامسمیٰ محمدؐ ہو گئے تھے۔ ﷺ۔اور زمین پر آپؐ کی حمد ہوتی تھی اور اسی طرح آسمان پر بھی آپؐ کی تعریف ہوتی تھی۔اور آسمان پر بھی آپؐ محمدؐ تھے۔یہ نام آپ کا اللہ تعالیٰ نے بطور نمونہ کے دنیا کو دیا ہے۔"

(ملفوظات، جلد دوم، ص62-61)

حضرت احمد ﷺ

حضرت اقدس محمد مصطفی ﷺ کا ایک اور اسم گرامی جو بطور اسم علم قرآن کریم میں استعمال ہوا ہے وہ " احمد" ہے جس کے معنی ہیں "بہت زیادہ حمد و ثناء کرنے والا۔" اس کا مصدر بھی حمد ہے اسم "احمد" لفظ "حمد" کا اسم تفضیل ہے۔ محمد اور احمد دونوں ناموں کا سرچشمہ حمد ہے اور دونوں نام اپنے منبع اور ماخذ اور انوارو برکات کے اعتبار سے اتحاد تام رکھتے ہیں۔ محمد اور احمد کے اسمائے گرامی میں معنوی فرق یہ ہے کہ کہ " محمد" عالم انسانیت کی وہ عظیم اور محمود ہستی ہیں جس کی تعریف و توصیف اہل ارض و سماء نے سب سے بڑھ کر کی ہے اور احمد وہ عظیم وجود ہیں جس نے رب ارض و سماء کی حمد و ثناء سب سے بڑھ کر کی ہے۔ اس حوالہ سے احمد آپ کا اسم علم بھی ہے اور اسم صفت بھی جو اپنے معانی کے اعتبار سے کمالات نبوی ﷺ کا عکاس ہے۔

حضور ﷺ کے دونوں نام صحابہ کرام میں معروف تھے۔ حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ کا مشہور شعر ہے:

صلی الاله و من یحف بعرشه
والطیبون علی المبارک احمد

اللہ تعالیٰ نے اور اس کے عرش کے اردگرد (خدمت پر مامور) فرشتوں نے اور سب پاکیزہ ہستیوں نے بابرکت ہستی "احمد" پر درود بھیجا ہے۔

اسی اسم مبارک کی حقیقت حال جب حضرت عیسیٰ مسیح ابن مریم علیہ السلام پر منکشف کی گئی تو انہوں نے بنی اسرائیل کو خوشخبری عطا کرتے ہوئے فرمایا:

وَ اِذْ قَالَ عِیْسَی ابْنُ مَرْیَمَ یٰبَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ اِنِّیْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَیْكُمْ مُّصَدِّقًا

لِّمَا بَيْنَ يَدَيَّ مِنَ التَّوْرٰىةِ وَ مُبَشِّرًا بِرَسُوْلٍ يَّاْتِيْ مِنْۢ بَعْدِي اسْمُهٗۤ اَحْمَدُ ؕ

”اور (یاد کرو)جب عیسیٰ بن مریم نے کہا اے بنی اسرائیل! یقیناً میں تمہاری طرف اللہ کا رسول ہوں۔اس کی تصدیق کرتےہوئے آیا ہوں جو تورات میں سے میرے سامنے ہےاور ایک عظیم رسول کی خوشخبری دیتے ہوئے جو میرے بعد آئے گا جس کا نام احمد ہو گا۔“

(سورہ الصف:7)

اسی ضمن میں یہ بات قابل ذکر و فکر ہے کہ سورۃ الصف میں مسیح ابن مریم کی طرف سے بنی اسرائیل کو احمد کے نام نامی کے ذریعہ جس عظیم نبی اور رسول کی پیش خبری دی گئی تھی اس کا تعلق بالواسطہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام سے بھی ہے۔ حضور علیہ السلام کا نام بچپن میں غلام احمد رکھا گیا تھا یعنی احمد ﷺ کا غلام۔ آپ نے اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے آنحضرت ﷺ کی اطاعت اور غلامی میں کمال تام حاصل کیا اور فنا فی الرسول ﷺ ہونے میں اس قدر ترقی کی کہ خدا نے آپ کا نام ہی احمد رکھ دیا۔ اسم احمد کا معنی ہے: بہت زیادہ تعریف بیان کرنے والا۔ چنانچہ آپ علیہ السلام نے اپنے محبوب آقا و مطاع حضرت اقدس محمد مصطفی ﷺ کی تعریف و توصیف جس طرح دنیا کے سامنے پیش کی اور قائم فرمائی اور آپ ﷺ کا اعلیٰ و ارفع مقام واضح فرمایا اس کی مثال اسلام کی تاریخ پیش کرنے سے قاصر ہے۔

چنانچہ اللہ تعالیٰ نے بارہا اپنی وحی میں آپ علیہ السلام کو ”یا احمد“ کہہ کر خطاب کیا ہے۔ اسی طرح آپ کو مختلف انبیاء کے نام بھی دیئے گئے جیسا کہ جَرِیُّ اللہ فِی حُلَلِ الْاَنْبِیَاء اور اسی طرح کے دیگر الہامات سے واضح ہے۔ اور ان اسماء میں مضمر معانی اور مخفی علم کی جھلک حضور علیہ السلام کی زندگی میں نظر آتی ہے جوافق احمدیت پر روشن تر ہوتی جاتی ہے۔ مثلاً اس مضمون کے شروع میں سلسلہ انبیاء میں سے حضرت آدم علیہ السلام کا ذکر ہوا تھا۔ یہ نام حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو بھی دیا گیا ہے۔ بہت ساری علمی و روحانی مماثلتوں میں سے یہ بات بھی دلچسپی سے خالی نہ ہوگی کہ جس طرح بمطابق و علم ادم الاسماء حضرت آدم کو عربی زبان کے اصول سکھائے گئے اس طرح اس زمانہ میں صرف ایک رات میں ہی حضور علیہ السلام کو عربی زبان کے 40 ہزار مادے سکھائے گئے۔ الرَّحْمٰنُ عَلَّمَ الْقُرْآنَ کی آسمانی آواز آپ نے سنی اور آپ کے ذریعہ اس دور آخرین میں اسلام کے آفاقی غلبہ کیلئے، علمی اور روحانی میدان میں، ایک نئی زمین اور نئے آسمان کی بنیاد رکھی گئی۔ اور حدیث قدسی :کنت کنزا مخفیا ۔۔۔ فخلقت اٰدم کا مضمون ایک نئی شان کے ساتھ ظاہر ہوا۔

اک شجر ہوں جس کو داؤدی صفت کے پھل لگے
میں ہوا داؤد اور جالوت ہے میرا شکار

(درثمین)

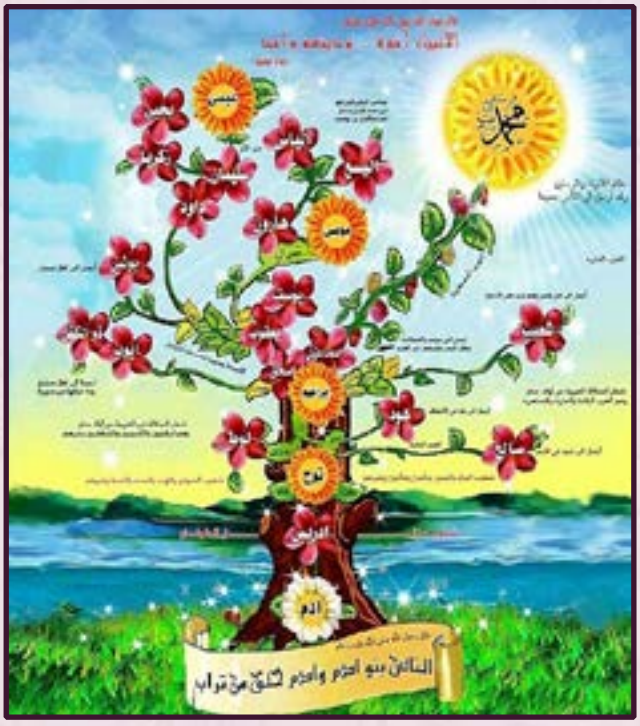

میں کبھی آدم کبھی موسیٰ کبھی یعقوب ہوں
نیز ابراہیم ہوں نسلیں ہیں میری بے شمار

(درثمین)

حضرت خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

”درحقیقت قرآن کریم میں آدم کا جو لفظ استعمال ہوا ہے وہ خالی ایک نام نہیں بلکہ آدم ایک عہدہ ہے جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے تفویض کیا جاتا ہے۔ اس عہدہ کے لحاظ سے جو آدمی بھی اس پر مقرر ہو جائے وہ آدم کہلاتا ہے اور قرآن کریم پڑھنے سے معلوم ہوتاہے کہ یہ عہدہ اس شخص کو دیا جاتا ہے جس سے کسی چیز کی ابتداء ہو۔ جب کوئی ایسا سلسلہ قائم کیا جائے کہ جس نے قیامت تک جاری رہنا ہو اور اس سے متواتر تنوع پیدا ہونا ہو اور نئی نسلیں پیدا ہونی ہوں تو اس کا نام آدم رکھا جاتاہے۔۔۔حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کو بھی جو آدم کا نام دیا گیا ہے وہ بھی اسی لئے ہے کہ آپ کو خداتعالیٰ کی طرف سے خاتم الخلفاء قرار دیا گیا ہے جس کے معنے یہ ہیں کہ اب جو شخص محمد رسول اللہ ﷺ تک پہنچنا چاہے اس کے لئے آپ کی غلامی اختیار کرنا ضروری ہے۔“

(سیر روحانی صفحہ 428-427)

چندانبیاء کے اسماء میں مضمر معانی اور مخفی علم اور پیشگوئیوں کے تذکرہ کے بعد اب نمونتاً چند مزید قرآنی اسماء کا پس منظر اور وجہ تسمیہ پیش خدمت ہے جن سے انشاء اللہ اس مضمون کا مرکزی نقطہ مزید روشن تر ہوگا۔

القرآن الکریم

حضرت خاتم الانبیاء محمد مصطفی ﷺ پر نازل ہونے والی خاتم الکتب کا نام ”القرآن“ ہے۔ لفظ ”قرآن“ عربی کے لفظ ”قرأ“ سے ماخوذ ہے جس کے دو بنیادی معنے ہیں۔ پڑھنا اور جمع کرنا یا اکٹھا کرنا، سمیٹنا۔ فعلان کے وزن پر اس کا مصدر قرآن ہے۔ اس لفظ کی توضیح و تشریح خود قرآن کریم نے متعدد جگہ پر فرمائی ہے۔ نزول قرآن کے ابتداء میں ہی لفظ ”اقرأ“ کی وحی اس حقیقت کی غماز ہے کہ نبی کامل ﷺ پر نازل ہونے والی اس کتاب میں ”پڑھنے، تلاوت کرنے“ کا مضمون مرکزی حیثیت کا حامل ہوگا۔ سورۃ القیامہ میں ارشاد باری تعالیٰ ہے: اِنَّ عَلَيْنَا جَمْعَهٗ وَقُرْاٰنَهٗ ۝ فَاِذَا قَرَاْنٰهُ فَاتَّبِعْ قُرْاٰنَهٗ ۝ نیز سورہ بنی اسرائیل میں ہے: اِنَّ قُرْاٰنَ الْفَجْرِ كَانَ مَشْهُوْدًا۔ سورۃ العنکبوت میں فرمایا: اُتْلُ مَا اُوْحِيَ اِلَيْكَ مِنَ الْكِتٰبِ اور سورہ النمل میں ارشاد ہوتاہے: وَ اَنْ اَتْلُوَ الْقُرْاٰنَ۔۔۔

ان حوالہ جات سے واضح ہے کہ قرآن کے معنے ”پڑھنے، پڑھ کرسنانے، پیغام پہنچانے اور اعلان کرنے کے ہیں۔ قرآن کو ”قرآن“ اس لئے بھی کہتے ہیں کہ وہ مختلف آیات کو سورتوں میں جمع کرتاہے اور سورتوں کو اپنے اندر سمیٹتا ہے اور انہیں ایک منطقی ترتیب کے ساتھ ایک دوسرے سے جوڑتا ہے۔ ابن الاثیر کے مطابق کتاب اللہ کو قرآن اس لیے بھی کہتے ہیں کہ اس نے اپنے اند ر قصص، اوامر، نہی، وعدہ، وعید اور آیات اور سورتوں کو باہم جمع کردیا ہے۔ امام راغب کے نزدیک قرآن نام کی وجہ تسمیہ یہ ہے کہ وہ خدا تعالیٰ کی نازل کردہ تمام کتابوں کے ثمرہ کو اپنے اندر جمع کئے ہوئے ہے(فِيْهَا كُتُبٌ قَيِّمَةٌ)

قرآن کریم دنیا کی سب زیادہ پڑھی جانے والی کتاب ہے۔ اس نمایاں وصف کومستشرقین نے بھی تسلیم

کیا ہے چنانچہ مستشرق فلپ کے حتی اپنی کتاب ”تاریخ عرب“ میں رقم طراز ہیں:

”دنیا میں نصرانیوں کی تعداد مسلمانوں سے قریباً دگنی ہے لیکن اس کے باوجود وثوق سے کہا جا سکتا ہے کہ دنیا کی تمام کتابوں کے مقابلے میں صرف قرآن ہی سب سے زیادہ پڑھی جانے والی کتاب ہے۔“

(تاریخ عرب از فلپ کے حتی، مطبوعہ نگارشات، باب 5 صفحہ 35)

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام فرماتے ہیں:

”میں نے قرآن کے لفظ میں غور کی تب مجھ پر کھلا کہ اس مبارک لفظ میں ایک پیشگوئی ہے وہ یہ ہے کہ یہی قرآن یعنی پڑھنے کے لائق کتاب ہے اور ایک زمانہ میں تو یہی پڑھنے کے قابل کتاب ہوگی جب کہ اور کتابیں بھی پڑھنے میں اس کے ساتھ شریک کی جائیں گی۔ اس وقت اسلام کی عزت بچانے کے لیے اور بطلان کا استیصال کرنے کے لیے یہی ایک کتاب پڑھنے کے قابل ہوگی اور باقی کتابیں قطعاً چھوڑ دینے کے لائق ہوں گی۔“

(تفسیر بیان فرمودہ حضرت مسیح موعود سورۃ البقرہ، جلد اوّل، صفحہ 647)

یاجوج ماجوج

یاجوج ماجوج کا لفظ اور تصور اس دور آخرین میں ایک خاص اہمیت کا حامل ہے۔ مولوی اپنے حلقہ جات میں اس کے عجیب و غریب معانی اور قصے بیان کرتے ہیں۔ لیکن حضرت مسیح موعود علیہ السلام اس کی حقیقت واضح کرتے ہوتے فرماتے ہیں:

”یا جوج ماجوج دو قومیں ہیں جن کا پہلی کتابوں میں ذکر ہے اور اس نام کی یہ وجہ ہے کہ وہ اجیج سے یعنی آگ سے بہت کام لیں گی اور زمین پر ان کا بہت غلبہ ہو جائے گا اور ہر ایک بلندی کا مالک ہوجائی گی تب اسی زمانہ میں آسمان سے ایک بڑی تبدیلی کا انتظام ہوگا اور صلح اور آشتی کے دن ظاہر ہوں گے۔“

(لیکچر سیالکوٹ، صفحہ 14)

نیز فرمایا:

”اجیج آگ کو کہتے ہیں جس سے یاجوج ماجوج کا لفظ مشتق ہے۔ اسلئے جیسا کہ خدا نے مجھے سمجھا یا ہے، یاجوج ماجوج وہ قوم ہے جو تمام قوموں سے زیادہ دنیا میں آگ سے کام لینے میں استاد بلکہ اس کام کی موجد ہے اور ان ناموں میں یہ اشارہ ہے کہ ان کے جہاز، ان کی ریلیں، ان کی کلیں آگ کے ذریعہ سے چلیں گی اور ان کی لڑائیاں آگ کے ذریعہ سے ہوں گی اور وہ آگ سے خدمت لینے کے فن میں تمام دنیا کی قوموں سے فائق ہوں گے اور اسی وجہ سے وہ یاجوج ماجوج کہلائیں گے۔“

(ایام الصلح، 183-182)

اب نمونتاً چند اور اسماء قرآنیہ کی مختصر وضاحت ملاحظہ ہو:

ارض (زمین): اپنے محور پر گھومنے والی جس کی حرکت محسوس نہ ہو۔

بقرہ (گائے، بیل): پھاڑنے والا یعنی زمین پھاڑنے کے لئے سب سے موزوں جانور۔

رجل: مضبوط آدمی، پیدل چلنے والا (راجل)

مزید مطالعہ کیلئے ”مفردات راغب“ عمدہ کتاب ہے۔

خلاصہ کلام

1) قرآن کریم میں موجود اسماء مسمیات کے گہرے معانی و مطالب پر مشتمل ہیں۔ اگر ہم دوسری زبانوں میں سے کچھ چیزوں کے نام حفظ کرلیں تو ان چیزوں کے اسماء جاننے سے ہم ان کے مسمیات کو نہیں پہچان سکیں گے بلکہ ہمارا علم انہیں چند آوازوں تک محدود رہے گا، گو بعض الفاظ میں عربی زبان کے ام الالسنہ ہونے کے زیر اثر اس کی اس نمایاں خصوصیت کی جھلک ملتی ہے۔ تاہم یہ کمال تام

صرف زبان عربی کو ہی حاصل ہے۔ اور اس کی سب سے بڑی مثال اللہ تعالیٰ کی نازل کردہ آخری کتاب قرآن مجید میں بدرجہ اتم موجود ہے جس کے کچھ نمونے اس مضمون میں پیش کئے گئے ہیں۔

2) الفاظ قرآنیہ: وَ عَلَّمَ اٰدَمَ الْاَسْمَاءَ كُلَّهَا (البقرہ:32) اور قَالَ يَا اٰدَمُ اَنْبِئْهُمْ بِاَسْمَائِهِمْ (البقرہ:34) سے مستنبط ہوتاہے کہ اللہ تعالیٰ نے تمدن کے ابتدائی دور میں حضرت آدمؑ سے تمام مخلوقات کے نام رکھوائے اورآدم نے ان میں موجود صفات کے مطابق ان کے نام رکھے جو ان کے کام اور کمال کو ظاہر کرنے والے تھے اور ابن آدم میں فطرتاً یہ خاصیت ہے کہ وہ جب بھی کوئی نام رکھتاہے تو ایسانام رکھتاہے جس سے اس چیز کی اصل صفت اور جوہر ظاہر ہو اس طرح وہ نام اسم بامسمی ہوجاتاہے۔ موجودہ دور کی نت نئی ایجادات کو دیئے گئے نام اس کا بین ثبوت ہیں۔ اسی طرح مختلف زبانوں میں اسماء کے مطالعہ سے بھی یہ بات واضح ہوتی ہے اور ام الالسنہ عربی میں تو یہ خاصیت اپنے کمال پر نظر آتی ہے۔

3) اسماء کے بیان کے ضمن میں حضرت اقدس مسیح موعود علیہ الصلوۃ والسلام کو الہاماً سکھائی جانے والی دعا : رَبِّ اَرِنِیْ حَقَائِقَ الْاَشْیَاءِ(اے میرے ربّ! مجھے اشیاء کے حقائق دکھا) بھی بہت اہم اور قابل غور و فکر ہے۔ اگر بنظر غائر دیکھا جائے تو یہ قرآنی دعا: رَبِّ زِدْنِیْ عِلْمًا کی ہی الہامی تفسیر ہے۔ حقائق الاشیاء درحقیقت

اسماء الاشیاء کا ہی دوسرا نام ہے جس کے مطالعہ ومشاہدہ میں ترقی حاصل کرنے کی دعا ہمیں تعلیم فرمائی گئی ہے اور جس کا اطلاق زندگی کے ہر شعبہ پر کیا جاسکتاہے۔

4) جب اللہ تعالیٰ کسی کو کوئی نام عطا فرماتا ہے تو اس نام کی صفات بھی اس وجود کے اندر بدرجہ اتم جاری فرماتاہے۔ صفات باری تعالیٰ کا مطالعہ اور انبیاء علیہم السلام کے اسماء اور حالات زندگی پر نظر کرنے سے یہ مضمون خوب واضح ہوجاتا ہے۔ اس دور میں پیشگوئی مصلح موعودؓ کے الہامی الفاظ پر غور کریں۔ الہامی اسماء اور القابات میں مذکورعلامات کس شان سے پوری ہوئیں اور کیسے ہستی باری تعالیٰ کا زبردست ثبوت دنیا کو دکھایا گیا۔

5) والدین عموماً اپنے بچوں کے نام بھی نیک امید اور دعا کے ساتھ بامعنی رکھتے ہیں۔ سیرت کی کتب میں یہ روایت ملتی ہے کہ ایک صحابی نے اپنے بچہ کا نام ”استغفر اللہ“ رکھا، اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی خدمت میں اس بارہ میں عرض کیا تو حضور علیہ السلام نے خوشنودی کا اظہار کرتے ہوئے فرمایا کہ اچھا ہے استغفار کی طرف توجہ رہے گی۔

6)مضمون کے آخر میں آپ کی خدمت میں یہ عرض کرنا چاہتا ہوں کہ ہم سب کے نام خوبصورت ہیں، بامعنی ہیں، اکثر کے نام خلفاء کرام نے رکھے ہیں یا والدین یا ہمارے بزرگوں نے نیک توقعات اور امید کے ساتھ رکھے ہیں۔ اور اکثر نام مرکب ہوتے ہیں۔ یعنی جوڑا جوڑا ہیں۔ جس کا تعلق یا تو اللہ تعالیٰ کی کسی صفت یا انعام سے ہوتاہے یا آنحضرت ﷺ اور انبیاء کرام کے اسماء مبارکہ سے ہے۔ یا کوئی اور صفت حسنہ ہے۔ بہرحال جو نام بھی ہمارا رکھا گیا ہو، اس کے معانی کو مدنظر رکھتے ہوئے اگر ہم اسم بامسمی بننے کی کوشش کرنے والے ہوں تو یہ ایک مستحسن بات ہوگی۔ کیونکہ اسلامی معاشرہ میں نام کا تعلق صرف شماریات سے نہیں بلکہ ہماری روز مرہ زندگی سے ہے۔ و باللہ التوفیق۔